رسالہ

تقویم اللسان

مؤلفہ

خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ فیلو الہ آباد یونیورسٹی

سنہ ۱۸۹۳ عیسوی

مطبع شمس المطابع دہلی میں باہتمام منشی محمد عطاء اللہ مطبوع ہوا

قیمت ۱۲ر

محصول ۲ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکثر زبانیں ایسی ہیں کہ جنمیں سے ہر ایک میں ایسا علم موجود ہے کہ وہ عالم کے سینہ میں نہیں ہوتا۔ زبان گنتا گر گنوار سے
ہی زیادہ دانشور نہیں ہوتی بلکہ ان عالموں سے بھی زیادہ دانشمند ہوتی ہے جو اسے بولتے ہیں زبان کا حال برق کا سا ہوتا
کہ جسکے چاروں طرف حقائق محققہ کے لمعات برقی چمکتے ہیں زبان کا حال ممی کا سا ہوتا کہ جیسے ممی مردوں کی لاشوں کو
مدتوں تک سب برقرار رکھتی ہے ایسے ہی زبان قدیم علم و دانائی کو سلامت رکھتی ہے گو اسکے پہچاننے والے تھوڑے ہی ہوں۔
زبان کا حال فوسل کا سا ہے جیسے فوسل میں نباتات و حیوانات متحجر ہو کے اپنی شکل کو دکھلاتے ہیں ایسی زبان میں علم و دانش
ایک ہی رنگ کی صورت بنا کے اپنا جمال دکھاتے ہیں بعض دفعہ زبان ان حقائق صادقہ کو مقفل کر کے رکھ چھوڑتی ہے جو کسی
پہلے زمانہ میں سب کو معلوم تھیں مگر زمانہ کے انقلابات و حادثات نے انکو نظروں سے غائب کر کے فراموش کرا دیا تھا اسکی سرزمین میں
تخم چھپے ہوئے پڑے ہیں جو سوا عارفان الٰہی کے کسی کو صاف نظر نہیں آتے۔ زبان کے استعارات و مجاز جو روحانی حقائق کے
ہادی ہوتے ہیں ایسی چیزیں ہیں بہت پیچ ایسے خیالات بلند کو دبائے ہوئے ہیں کہ جنکی کاوش میں حکیم عاجز اور عارف متحیر
دانائی کی شعاعیں جو افق کے نیچے ہوتی ہیں انکو غور کرنے والوں کو زبان اسطرح دکھا دیتی ہے جیسے کہ وہ شعاعیں آسمان
سے اتری ہیں۔ زبان ان ہزاروں بیش بہا اور نازک خیالات کے لمعات محفوظ و برقرار رکھتی ہے جو ذہانت کی
اکل کسی سے نکل کر بجلی کی طرح چمک کر غائب ہونے والے تھے۔ زبان ہی عقلی خزانے ایک نسل سے
دوسری نسل میں پہنچاتی ہے جب زبان میں یہ خوبیاں ہیں تو جو خیر خواہ ملک اپنے ملک میں تہذیب و تعلیم کی اشاعت
کا شوق دل میں رکھتا ہے اسکا یہ فرض ہے کہ وہ سب سے اول اپنی مادری زبان کو جو سب سے زیادہ محبت و توجہ کی مستحق ہے
مہذب و شائستہ بنائے۔ زمانہ جیسا اور سب چیزوں کے پیچھے خرابی و فساد لگاتا ہے ایسا ہی ہماری زبان کے پیچھے بھی۔ پس ہم کو
لازم ہے کہ ان خرابیوں سے اسکا پیچھا چھڑائیں اسکو ساری آلائشوں سے پاک صاف کریں بے عیب و بے نقص اسکو بنائیں
کسی نا رنگی کو اسکے پاس نہ آنے دیں۔ ہماری زبان جسکو مسلمان اُردو اور گورنمنٹ ہندوستانی کہتی ہے عجب کشمکش میں پڑ
رہی ہے۔ زبان میں دو چیزیں ہیں ایک الفاظ دوسرے خیالات الفاظ بیشمار اسمیں غیر زبانوں کے موجود ہیں اور بے تحاشا داخل ہوتے
چلے جاتے ہیں اگر ان زبانوں میں سے اکثر زبانوں کے الفاظ اسمیں موجود ہیں جو خود اور انکے اشتقاق وقت پیدا ہوتے ہیں اسلئے خیالات
مشرقی و مغربی اسمیں ہی ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں پس ان دونوں مشکلوں کے دور کرنیکے لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے جسکا نام اللہ الحمد
یہ رسالہ ہے اور آگے اور سبق تیار کر رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ جب کتاب پوری ہو جائیگی تو ہماری زبان کی
مشکلات آسان کرنیکی راہ معلوم ہو جائیگی فقط

ذکاء اللہ - ۲۴ - اپریل ۱۸۹۳ء

باب اوّل

انسان اور اُسکی زبان

(۱) انسان کے نام جنسے وہ ممیز از حیوان ہوتا ہے

انسان کے جو حالات ایسے ہیں کہ وہ اوس کو کل حیوانات پر شرف دیتے ہیں اُن پر حکماء زمانے نے نظر کرکے انسان کے نام ایسے بہت سے رکھے ہیں جن سے اس کی تعریف ہوتی ہے۔ تفصیل اُسکی یہ ہے

انسان کا ایک نام مذہبی حیوان رکھا گیا ہے۔ جن حیوانوں سے ہم اب تک واقف ہوئے ہیں ان میں ایک بھی ایسا نہیں دیکھا کہ مذہب کا خیال رکھتا ہو۔ کوئی جماعت اُسکی عبادت الٰہی کے لیے جمع ہوتی ہو۔ وہ انعامات الٰہی کا شکریہ بجالاتی ہو۔ اپنی ہستی کو سمجھتی ہو کہ وہ عطیۂ ایزدی ہے۔ وہ اعمال کی بازپرس کو جانتی ہو کہ نیک اعمال کی جزا اور بد افعال کی سزا ملے گی۔ غرض نہ کسی حیوان کو جزا کی اُمید ہے نہ سزا کا خوف۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اُنکی طبیعت میں ایسی باتیں ضرور ہوتی ہیں کہ جو انسان کے اخلاق میں داخل ہیں۔ وہ اپنی ولاد سے محبت رکھتے ہیں۔ انسان کی طرح وہ ہوا و ہوس و حرص و حُب جاہ کی بلاؤں ں مبتلا نہیں ہوتے۔ انسان سے زیادہ انھیں قناعت ہوتی ہے۔ مگر جو نیکیاں و برائیاں نیں ہیں وہ فطرتی ہیں اکتسابی نہیں اسلئے ان پر اخلاق کا اطلاق اس طرح نہیں ہوسکتا سا کہ انسان کی برائیوں اور نیکیوں پر۔

ایک نام انسان کا پولی ٹکل حیوان یعنی سیاست مدن کا عالم رکھا گیا ہے۔ کوئی حیوان ایسا ں کہ سیاست مدن کی اصول سے واقف ہو۔ وہ تقسیم محنت کے فوائد سے آگاہ ہو یہ حیوان

اپنی غذا آپ بہم پہونچاتا ہے۔ اپنا گھونسلا آپ بناتا ہے۔ اپنا ہر ایک کام آپ کرتا ہے۔ اُسکی کوئی فرد یا جماعت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے فرد یا جماعت کے لیے کام کرتی ہو اور اُسکو فائدہ پہونچاتی ہو۔ ایک کی محنت سے دوسرا استفادہ کرتا ہو۔ نہ اُنہیں مقنن تجویز کرے نہ محتسب اُنکا حساب لیتا ہے۔ ہاں اگرچہ چند مستثنےٰ صورتیں ہیں کہ حیوانات بھی اپنی تمدنی حالت کو اور ایک سلطنت کی صورت کو جیسی کہ شہد کی مکھیاں ہیں دکھاتی ہیں۔ ان میں یہ قانون جاری ہے کہ وہ سلطنت کیا کرتے ہیں +

ایک اور نام انسان کا حیوان طباخ رکھا گیا ہے اسلئے کہ یہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ خوراک کو پکا کے کھاتا ہے۔ اور حیوان خواہ وہ گوشت خوار ہوں یا نباتات کھانے ہوں یا جیسی اُنکو خوراک ملتی ہے ویسی ہی وہ نوش جان کرتے ہیں۔ پکانے کا جھگڑا ساتھ نہیں رکھتے پرندے کیڑوں کو یونہیں کھا لیتے ہیں اور بالتو ہیں نہ بھونتے ہیں نہ کباب بناتے ہیں۔ یہ تو حضرت انسان ہی ہیں کہ اکثر اپنی خوراک پہلے کھانے سے پکاتے ہیں۔ کچھ تھوڑے ہی سے میوے ایسے ہیں کچے جن کو کچا تناول فرماتے ہیں جو حال کھانے کا ہے وہی پینے کا ہے کہ حیوان تو صرف پانی پیتے ہیں یہ حضرت پانی کے سوا شربت پکا کے اور شراب و عرق بھپکوں میں کھینچ کے پیتے ہیں غرض ان حضرت کے سوا کسی حیوان نے اپنے پیچھے چولھے بھاڑ کا جھگڑا نہیں لگایا اور اپنی آتش اشتہا کو آگ سے نہیں بجھایا +

انسان کا ایک اور نام حیوان آلہ ساز بھی رکھا گیا ہے۔ سارے حیوانات اپنے کل کام انہیں قدرتی آلات سے انجام دیتے ہیں جو خدا نے انکو دئے ہیں دیکھ لو کہ وہ اپنی غذا بہم پہنچاتے ہیں اور اپنا مسکن بناتے ہیں کسی مصنوعی اوزار کے محتاج نہیں۔ مگر اس کلیہ سے آلات اور کلیں بنانی ہیں جنکو وہ کام میں لاکر اپنے تئیں محنت سے بچاتا ہے اور نہایت خوش اسلوبی سے بہت جلد با آسانی کام بناتا ہے اگر وہ یہ نہ کرتا تو اسکو بڑی محنت شاقہ اٹھانی پڑتی۔ اگر ہل نہ بناتا تو زمین کے کرید نے میں انگلیوں کا کچومر نکالتا +

ایک اور نام آدمی کا حیوان اسلحہ ساز رکھا گیا ہے۔ فقط یہی حضرت اپنے دشمنوں سے ہتیار بنا کے لڑتے ہیں ورنہ سب جانور تو اپنے دشمنوں سے انہیں قدرتی ہتیاروں سے لڑتے ہیں

جو خدا نے انکو دئے ہیں جیسے کہ سینگ۔ ناخن۔ دانت۔ پنجے۔ زہر۔ انہیں سے وہ اپنے دشمنوں
پر وار کرتے ہیں۔ مگر انسان نے اپنے قدرتی اسلحہ کے ساتھہ مصنوعی اسلحہ کا اور اضافہ کیا ہے
جنگلوں کو کاٹا۔ کانوں کو کھودا۔ لوہا نکالا۔ پھر کیمیائی عملوں کو اور بڑھا کر اسلحہ جاں ستاں
تیار کئے جنسے اپنے ابنائے جنس کو ایسی بیرحمی سے قتل کرتا ہے کہ کوئی اور نوع حیوان نہیں
کرتی۔ یہ نام اسکا شرمناک ہے۔ کہتے ہیں کہ آج کل سائنس اور آرٹ جو صدہا طرح کے اسباب
آسائش و راحت تیار کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھہ آلات جاں ستاں بھی وہ غضب کے تیار
کرتے ہیں جو انسان کے عیش و آرام کو تلخ کرتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہوا ہے کہ ایک
قسم کے بندر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ لکڑیاں اور درختوں کی شاخیں ہاتھوں میں لے کر
ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو یہ تعریف انسان کی جھری جھری ہو گئی ہے۔ انسان اسے
بھی خوشی ہوا ہے کہ اگر یہ صفت پیدا ابھی ہوئی ہے تو بندروں میں جو اسے اور حیوانوں
کی نسبت میں قرابت قریب رکھتے ہیں۔ انسان کا نام حیوان ضاحک یعنی ہنسنے والا
رکھا گیا ہے کوئی حیوان اسکی طرح ہنسنے والا نہیں دیکھا گیا۔ اس زمانہ کی تحقیقات نے ان
تعریفوں کو جامع و مانع نہیں رکھا کہ وہ کل انسانوں پر صادق آئے۔ اور کوئی فرد حیوان اس میں
داخل نہ ہونے پائے۔ روز بروز سائنٹفک تحقیقات حیوان کے درجے کو بڑھاتی جاتی ہے
یہانتک تو اسکی نوبت پہونچائی ہے کہ بندر ہی کو مہذب بنا کے انسان بنایا ہے۔ اور اس کے
سب باتوں کو جو اوپر بیان ہوئی ہیں ایسا اڑا دیا جیسا کہ گدھے کے سر سے سینگ مگر ایک
تعریف ایسی اب تک باقی رہی جو محققین کے ہاتھہ سے بچی ہوئی ہے اور یقین ہے کہ وہ ہمیشہ بچی
رہے گی مگر آیندہ کی خدا کو خبر ہے وہ تعریف انسان کی حیوان ناطق ہے لہذا اسی کا مفصل بیان ہم پیچھے کرتے ہیں

(۳) الفاظ۔ کلمات۔ زبان علی العموم

خدا تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے یعنی انسان کی سرشت میں یہ میلان رکھا ہے
کہ وہ اور آدمیوں کے ساتھ مل جل کر رہے اسکے بغیر اسکا جینا دشوار ہے۔ اسلئے اسکو ایک نعمت عظمیٰ
گویائی کی عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنی معلومات ذہنی اور مافی الضمیر کو آوازوں کے ذریعہ اوروں پر
ظاہر کرے۔ ان آوازوں کے نکالنے کے لئے جوارح عنایت فرمائے مگر وہ مخصوص انسان کے ساتھ

نہیں گئے۔ طوطے مینا اور اور پرندوں کو بھی عطا ہوئے ہیں کہ سیکھنے سے وہ انسان کی بولی کی نقل اُتار سکتے ہیں مگر ان جانوروں کی بولی اور ہے اور نطق انسانی اور ہے۔ ع

لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

(۳) تصور کے لئے الفاظ کا یا کلمات کا علامات عامہ بننا۔

چیزوں کی صورتیں جو ذہن میں پیدا ہوتی ہیں ان صورتوں کو تصور کہتے ہیں یعنی ہر ایک چیز کے لئے جو ایک خیال ذہن میں ہے وہی خیال اس چیز کا تصور ہے۔ جب ہم کسی چیز کا خیال کریں اسکے جو کچھ ہمارے ذہن میں آئے وہ تصور ہے۔ اب اس تصور کی دو قسمیں ہیں ایک قسم اسکی یہ ہے کہ عقل اسمیں تعدد اور شرکت کو جائز نہ رکھے۔ مثلاً خاص شخصوں کا تصور زید عمر کا کہ جب زید کا تصور ذہن میں صورت پذیر ہوگا۔ اس کا مصداق ایک خاص شخص ہوگا جو زید کا مسمیٰ ہے اس قسم کے تصور کو تصور خاص یا جزئی کہتے ہیں اسکی دوسری قسم یہ ہے کہ اسمیں عقل تعدد اور شرکت کو جائز رکھتی ہے جیسے کہ مطلق انسان کا تصور جس میں سب زید عمر وغیرہ بہت سے اشخاص انسان پر صادق ہو سکتے ہیں اس قسم کے تصور کو عام یا کلی کہتے ہیں پس اس تصور کے لئے جو آواز علامت یا نشانی مقرر کی جاتی ہے اسکو لفظ کہتے ہیں۔ علامت یا نشانی کے معنی تم جانتے ہو کہ یہ ہیں کہ اس سے وہی تصور پیدا ہو جو اصل اس شئے سے پیدا ہوتا ہے جسکی وہ نشانی ہے۔ اب اگر ہر تصور جزئی کے لئے لفظ وضع کیا جاتا تو الفاظ نہایت کثیر التعداد ہوتے کہ انکا انحصار و انضباط متعذر ہوتا اسلئے ہی زبان کے لئے مفید سمجھا گیا کہ کلی تصور کے ناموں کے لئے زیادہ تر الفاظ وضع کئے جائیں اور جزئی تصور کے لئے خاص الفاظ مقرر ہوں۔ ایسی صورت میں دیونکا باہم ہم کلام ہونا سہل ہوگا۔ اسلئے کلی تصور کے لئے عام نام رکھے گئے۔ اسکا بیان آگے مفصل آئیگا +

اشیا کے ہونے کا ہی اور نہ ہونے کا بھی تصور ہو سکتا ہے پس جیسے کہ اشیا کے ہونے کے لئے الفاظ وضع کئے گئے ایسے ہی نہ ہونے کے لئے بھی جیسے لفظ جہل ہے کہ علم کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے +

مادی اشیاء خارجی کے تصور محسوسہ کے لئے جو الفاظ وضع ہوئے تھے انہیں کے معانی

ایسے وضع ہوگئے کہ وہ اشیاء باطنی غیر مادی پر دلالت کرنے لگے مثلاً عقل کے اصل معنی لغت میں پاؤں میں بند باندھنے کے تھے۔ مگر اب وہ اس قوت پر دلالت کرتی ہے جو حقائق امور کو ادراک کرتی ہے اور علوم کی مدرک ہے اور وہ بھلائی اور نفع خیز چیز کی طرف خواہش دلاتی ہے اور شر و مضرت سے بچاتی ہے۔ یعنی جیسی پیروں کی بندش جانور کو بے چلنے نہیں دیتی تھی اسی طرح جو قوت طبیعت کو افعال ذمیمہ کی طرف نہیں چلنے دیتی۔ اسکا نام عقل رکھا گیا غرض وہی الفاظ کہ جو اشیاء یا اعیان خارجی پر دلالت کرتے تھے۔ اشیاء ذہنی پر دلالت کرنے لگے بعض محققین اس کلیہ کو نہیں مانتے اور بعض الفاظ ایسے پیش کرتے ہیں کہ کبھی انہوں نے اشیاء خارجی پر دلالت نہیں کی جیسے کہ لفظ جی ہے کہ اوسکا اطلاق کبھی کسی خارجی شی پر نہیں ہوا مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں ہوا

(۴) الفاظ کے معانی

انسان کے دل میں طرح طرح کے خیالات ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ جن سے وہ خود فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اوروں کو فائدہ پہونچا سکتا ہے۔ مگر وہ اُس کے دل میں ایسے مخفی ہوتے ہیں کہ وہ اور ونکو نظر نہیں آتے نہ انمیں خود بخود ظاہر ہونے کی قابلیت ہے۔ پس اگر ایسے خیالات پردہ میں چھپے رہیں اور باہر نہ آئیں تو اجتماع انسانی عبث ہے ایک آدمی دوسرے آدمی سے فائدہ نہیں اوٹھا سکتا۔ آرام نہیں پا سکتا۔ اسلئے ضرورت پڑی کہ وہ اپنے تصورات و خیالات کے اظہار کے لئے علامات جو محسوس ہوں وضع کرے۔ اس مطلب برآری کے لئے آواز سے بہتر کوئی شے اور انسان کو ہاتھ نہ لگی۔ آواز ہی ایسی شے ہے کہ جلدی سے ایک کے پاس سے دوسرے پاس پہنچ جائے اور طرح طرح کی صورتیں بآسانی و بکثرت بنالے۔ پس یہ آوازیں جنکو الفاظ یا کلمات کہتے ہیں گویا قدرت ہی سے اس کام کے لئے موضوع و موزوں ہوئیں تھیں۔ مگر یہ یاد رکھو کہ الفاظ و معانی میں کوئی مناسبت طبعی نہیں ہے اگر دلالت لفظ باقتضاء ذات لفظ ہوتی تو قریوں و شہروں و ملکوں میں زبانوں کا اختلاف نہ ہوتا۔ ہر شخص ہر لفظ کے ایک ہی معنی سمجھتا اور لفظ کے ایک معنی کی نقل دوسرے معانی کی طرف محال ہوتی اسواسطے کہ جب لفظ کے معنی بالذات ہوتے تو اسکا انفکاک محال تھا۔ ساری دنیا کی ایک زبان ہوتی غرض یہ امر

انسان کے اختیار میں تھا کہ اپنے ہر تصور کی ظاہری نشانی اپنے کسی لفظ کو مقرر کر لیا پس الفاظ
کا بولنا اپنے تصور کی محسوس نشانیاں دکھانا ہے اور ان الفاظ کے معانی وہی ہمارے تصور کہلاتے
ہیں یعنی جو انکا مدلول ہمارے ذہن میں ہے۔

(۵) ہر شخص جو لفظ استعمال کرتا ہے وہ اپنے تصور کی ایک علامت محسوسہ رکھتا ہے۔ ان الفاظ
کا استعمال دو مقصدوں کے لئے وہ کرتا ہے کہ یا تو اپنے حافظہ کی اعانت کے لئے انکو لکھتا ہے
یا اپنے تصور کو دوسرے پر ظاہر کرنے کے لئے بولتا ہے۔ یہ الفاظ اپنے ابتدائی معانی ساتھ لئے
ہوئے ہوتے ہیں اور استعمال کرنے والے کے تصور کے قائم مقام ہونے کے سوا اور کچھ اور
کام نہیں کرتے جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے اپنی بات سمجھانے کے لئے بولتا ہے تو اس بات
چیت کا مآل یہی ہوتا ہے کہ بولنے والے کے تصورات بذریعہ اصوات جو اسکے تصورات
کی علامات ہیں سننے والے کو معلوم ہو جائیں بولنے والا اپنے تصورات کی نشانیاں بناتا ہے
اپنے سے غیر تصورات کے لئے انکو نہیں بنا سکتا۔ یہ ایک بعینی بات ہے کہ وہی نشانیاں جو
اپنے تصور کے کام میں لاوے وہی غیر تصور کے کام میں لاتی ہیں جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ تصور کے لئے نشانیاں بناتا بھی ہے
اور نہیں بھی بناتا ہے۔ الفاظ تو اختیاری علامات ہیں بھلا جن چیزوں کو آدمی جانتا ہے
نہیں انکے واسطے کیسے اپنے اختیار سے علامات بنا سکتا ہے۔ ایسی چیزوں کے لئے جو ذہن
میں موجود نہ ہوں الفاظ بنانے بے معنی آواز نکالنی ہے جب تک آدمی خود ذہن میں خیالات موجود
نہ ہوں وہ دوسرے آدمی کے خیالات سے انکو مطابق نہیں کر سکتا۔ اور نہ انکے لئے کوئی علامت
وضع کر سکتا ہے نامعلوم چیز کے لئے کوئی لفظ نہیں بنایا جاتا جب آدمی اور آدمیوں کے تصورات
کو اپنے تصورات سے تعبیر کرتا ہے اور انکا ان ناموں کا رکھنا منظور کر لیتا ہے جو اوروں نے
رکھا ہے تو یہ تصورات بھی اسکے اپنے وہی تصورات ہوتے ہیں جو اسکے ذہن میں موجود ہوتے
ہیں نہ وہ جو معدوم ہوتے ہیں۔ غرض زبان کے بولنے میں یہ امر لازمی ہے کہ ایک ہی الفاظ جاہل
عالم۔ بچے۔ بڑے بولیں مگر معانی انکے جدا جدا اپنے تصورات ذہنی کے موافق ہوں۔ ایک بچے
نے ایک دھات میں جسے سونا کہتے ہیں چمکتا ہوا سنہرا رنگ دیکھا سو وہ اپنے خیال کے موافق جس
چیز کا چمکتا ہوا رنگ دیکھے گا اسے سونا کہدیگا مور کی دم میں یہ رنگ دیکھ کر اسے بھی سونا کہدیگا

دوسرا آدمی جو اس بچے سے زیادہ یہ جانتا ہوگا کہ یہ دھات سوا چمکتے ہوئے سنہرہ رنگ کے بہت
بھاری بھی ہوتا ہے تو جب وہ سونے کا لفظ بولتا ہے تو اوسکے ذہن میں اسکا مفہوم وہ دھات
ہوتا ہے کہ سنہرا اور بھاری ہو۔ تیسرا شخص اس سے زیادہ اگر واقف ہوگا کہ سونے میں گلنے پگھلنے
کی بھی قابلیت ہوتی ہے سو وہ اپنے خیال کے موافق سونے کا لفظ بولے گا تو اوس کے ذہن میں
اسکا مفہوم وہ دھات ہوگا جو سنہرا چمکتا ہوا رنگ اور بھاری اور پگھلنے والا ہوگا چوتھا شخص
اسکے باریک ورق بننے کی قابلیت سے بھی واقف ہوگا تو سونے کا مفہوم اسکے ذہن اور بڑھ جائیگا
پس یہ چاروں شخص لفظ تو ایک سونے کا بولینگے مگر ہر ایک کے ذہن میں اُسکا مفہوم یا مدلول
جُدا جُدا ہوگا +

(۶) الفاظ کا کچھہ اور بیان +

اول اگرچہ الفاظ کے معنی سوا ان تصورات کے کچھہ اور نہیں ہوتے جو قائل کے ذہن میں ہوتے
ہیں مگر بولنے والے یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے الفاظ اُن آدمیوں کے تصورات کی بھی نشانیاں
ہیں جنکو ہم اپنی بات سمجھاتے ہیں اگر یہ نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ کہنے والا جو آواز اپنے تصورات کے
لیے کام میں لاتا ہے وہ سننے والا اور تصورات کے لئے استعمال کرتا ہو تو یہ حالت ایسی ہوگی کہ
گویا دو زبانیں بولی جاتی ہیں کہنے اور سننے والوں میں زیادہ تر لوگ یہ تو خیال کرتے ہیں کہ وہ
ایک ہی زبان بولتے ہیں مگر اسپر توجہ نہیں کرتے کہ اُس زبان کے الفاظ کے معانی قائل اور سامع
کے ذہنوں میں ایسے متفاوت ہیں کہ گویا وہ مختلف زبانیں بول رہے ہیں +

دوم انسان فقط اپنے خیالات ہی اپنے الفاظ میں بیان نہیں کرتا ہے بلکہ اصل اشیاء کا بھی ذکر
کرتا ہے جنکے لیے وہ الفاظ بناتا ہے۔

سوم جب آدمی مشق سے اپنے مفہومات ذہنی اور مافی الضمیر کے بیان کرنے پر قادر ہوجاتا ہے تو اوس کے
ذہن میں الفاظ فوراً تصورات کی ایسی تحریک کرتے ہیں جیسے کہ اصل اشیاء جنسے وہ تصورات ہوئے
تھے۔ ابھی مُنہ سے لفظ نکلا نہیں کہ اسکا اصل مدلول ذہن میں آموجود ہوتا ہے +

چہارم جب ہم بولتے ہیں تو الفاظ کے معانی قریبہ وہی تصورات ہوتے ہیں جو ہمارے ذہن
میں موجود ہوتے ہیں ہم کو بچپنے سے بہت سے الفاظ بولنے کی مشق ایسی جلد ہی ہوئی ہوتی ہے

کہ وہ بے اختیار ہمارے زبان کی نوک پر آتے ہیں رہ ہمیشہ حافظہ میں موجود رہتے ہیں مگر انکے معانی کا امتحان کامل طور پر ہم نہیں کرتے۔ اپنے اس خیال کے بیان کرنے میں جسپر توجہ بہت کم ہوتی ہے ہم الفاظ کا لحاظ زیادہ تر بہ نسبت اشیاء کے کرتے ہیں بچپنے میں کیا بڑھنے میں کیا بہت سے الفاظ ایسے سیکھتے ہیں کہ جنکے معانی ہمارے ذہن میں موجود نہیں ہوتے انکو اسی طرح بولتے ہیں جیسے کہ طوطا مینا صرف الفاظ کی آواز سنتے ہیں معانی سے کچھہ غرض نہیں الفاظ کا استعمال جب تک بامعانی ہوتا ہے تو آواز اور تصور میں ایک تعلق ہوتا ہے اور جب یہ نہ ہو تو الفاظ ایک آواز بے معنی ہوتے ہیں +

پنجم ہر آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے تصورات کا اظہار جن الفاظ میں چاہے کرے مگر یہ امر اسکے اختیار سے باہر ہے کہ اُن الفاظ سے دوسرے کے ذہن میں اپنے سے تصورات پیدا کردے۔ اسلیئے یہ کسی شخص کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ ایک نیا لفظ اپنی طرف سے گھڑ کر اپنی زبان میں داخل کردے اور اسکے معنی وہی اوروں کے ذہن میں پیدا کردے جو اُسکے اپنی ذہن میں تھے۔ اگسٹس قیصر روم نے کہا تہا کہ گو میں دنیا پر حکمرانی کر رہا ہوں مگر مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ ایک نیا لیٹن زبان کا لفظ بناکے اپنی محکوم رعایا کی زبان میں ایسا داخل کردوں کہ سب اسکو بولنے اور سمجھنے لگیں پس جب تک کوئی شخص الفاظ کو انہیں معانی میں جو اُسکے اور ہم زبانٌ کے ذہن میں ہیں کام میں نہیں لائے گا زباں داں نہیں کہلائیگا +

(۷) الفاظ اکثر کلی ہوتے ہیں +

موجودات عالم میں ہر شے ایک خصوصیت رکھتی ہے۔ ہر فرد اُسکی ایک جزئی ہے۔ ابتدائے نظر میں یہ امر قرین عقل معلوم ہوتا ہے کہ ہر فرد خاص یعنی ہر جزئی کے لیئے ایک لفظ ہو جسکے معنی سے خصوصیت جزئی مفہوم ہو مگر ہم اسکے بالکل برعکس حال دیکھتے ہیں کہ ہر زبان کے اندر الفاظ کلی ہوتے ہیں یہ امر کسی غفلت و اتفاق سے نہیں صادر ہوا۔ بلکہ ضرورت و عقل دونو اوس کے داعی ہوئے ہیں +

(۸) ہر خاص شی یعنی جزئی کا نام جدا جدا رکھنا ناممکن ہے +

اول اسلیئے کہ الفاظ کے معانی و استعمال اس تعلق پر موقوف ہیں جو تصورات اور ان آوازوں

میں جو ان کی علامات مقرر کی گئی ہیں۔ پس اس لئے ضرور ہے کہ جب اشیا رکے خاص نام جدا جدا رکھے جائیں تو ان اشیا میں سے ہر ایک کا تصور بھی جدا جدا ذہن میں موجود ہو اور پھر کل نام بھی ذہن میں حاضر رہیں مگر یہ انسان کی قابلیتوں و قواء کی تاب و توان سے باہر ہے کہ وہ ہر شئے کا تصور اور اس کے ساتھ اس کا خاص نام محفوظ رکھ سکے۔ بھلا یہ آدمی سے کب ہو سکتا ہے کہ وہ جس آدمی اور جس پرند کو دیکھے اور جو درخت و پودا اسکو نظر پڑے انہیں سے ہر ایک کو جدا جدا اپنے ذہن میں جگہ دے۔ شاید بعض اس دلیل کی تردید میں ان جرنیلوں کی مثال لائیں کہ وہ اپنے لشکر کے ہر سپاہی کا نام جدا جدا یاد رکھتے تھے۔ تو اسکے برخلاف یہ دلیل موجود ہے کہ کسی آدمی نے اپنے بھیڑوں کے ریوڑ میں ہر بھیڑ کا نام۔ کوّے جو سر پر اُوڑتے ہیں انمیں سے ہر کوّے کا نام۔ درختوں کے پتوں میں سے ہر پتے کا نام۔ ریگستان کے ذرّوں میں سے ہر ذرّے کا نام جدا جدا رکھ کے یاد نہیں کیا۔

دوم۔ اگر یہ ممکن بھی ہو تو کوئی فائدہ اس سے مترتب نہیں ہوتا اسلئے کہ اگر آدمی نے جزئیات کا ایک انبار لگا لیا اور وہ دوسروں تک اپنے خیالات پہنچانے میں قاصر رہا تو جو زبان کا مقصد اعظم ہے اس میں خلل پڑا۔ آدمی جن ناموں کو سیکھتا ہے اور اُنکو بولنے میں کام میں لاتا ہے تو غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ اور لوگ انکو سمجھیں اور یہ سمجھنا جب ہوتا ہے کہ بولنے والا جو آوازیں اپنے مُنہ سے نکالے وہ سننے والے کے ذہن میں وہی تصور پیدا کریں جو اوس کے ذہن میں تھا۔ اب یہ بات اس صورت میں نہیں حاصل ہو سکتی کہ ہر خاص شئے کے نام خاص رکھے جائیں۔ ان خاص اشیا کا تصور جو بولنے والے کے ذہن میں ہوگا اُنکے نام دوسرا شخص سُننے والا اس سبب نہیں سمجھے گا کہ وہ ان خاص اشیا کو جانتا نہیں جنکو بولنے والا جانتا ہے +

سوم مان لو کہ ایسا ہوتا ہے (گو کبھی ہوتا نہیں) تو ہر خاص شئے کا خاص نام جدا جدا رکھنا ترقی علم کا مانع ہوگا۔ گو علم خاص اشیا پر یعنی جزئیات پر مبنی ہوتا ہے مگر اسکی توسیع کلیات ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ جزئیات کلیات میں تحویل ہو کر ایسے مختصر ہو جاتے ہیں کہ آدمی کا ذہن

انکا انضباط و انحصار اچھی طرح کرسکتا ہے۔ مگر یہہ بھی یاد رہے کہ انسان کلی نام رکھنے کا ایسا پابند نہیں ہوا کہ وہ جزئی نام رکھنے سے گریز و پرہیز کرے بلکہ وہ اپنے ابنائے جنس کے نام۔ شہروں۔ ملکوں۔ پہاڑوں۔ دریاؤں اور مقامات کے نام جدا جدا رکھتا ہے۔ جہاں اسکو جزئیات کے خاص ناموں کے رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے وہاں وہ رکھتا ہے +

(۹) الفاظ عام یعنی کلی الفاظ کس طرح بنائے جاتے ہیں +

جب موجودات عالم میں ہر شے خاص ہوتی ہے جس کے سبب سے وہ ایک جزئی ہوتی ہے تو اب یہ سوچنا چاہئے کہ ان جزئیات کے کلی نام کسطرح رکھے جاتے ہیں۔ یہہ کلی نام یا کلی الفاظ اسطرح بنتے ہیں کہ آدمی جب چند چیزیں اس طرح کی دیکھتا ہے کہ کوئی خاص صفت خاص حیثیت پائی جاتی ہے اور خاص اعتبار بلحاظ زمان۔ مکان۔ مقدار کے یکساں پایا جاتا ہے تو ان سب چیزوں کی نسبت عام خیال ہوتا ہے اور اس عام خیال کا نام عام رکھہ لیا جاتا ہے۔ مثلاً آدمی نے۔ زید۔ بکر۔ عمر کو دیکھا کہ ان میں دو ہاتھہ۔ دو پانو دو آنکھیں دو کان۔ ناک منہ۔ یہ سب میں یکساں ہیں اور ایک ہی وضع کی مخلوق ہے لہٰذا ان سب کے واسطے ایک عام خیال پیدا کیا اور اس عام خیال کا نام انسان رکھہ لیا۔ اسطرح نام رکھنے کی عادت ہم کو بچپنے سے پڑتی ہے۔ بچہ جب تک اپنی ماں یا دایہ کا دودہ پیتا ہے تو خاص نام ان کے لیتا ہے۔ مگر جب وہ اپنے ماباپوں اور اور شخصوں میں بہت سی چیزیں یکساں دیکھتا ہے تو اس کے دل میں ایک عام خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اس عام خیال کے سبب سے وہ اور شخصوں کو اور ماباپوں کو آدمی کہنے لگتا ہے +

چیزوں کی نسبت عام خیال پیدا کر لینے میں انسان نے اپنے ذہن کو اسقدر وسعت دے رکھی ہے کہ چند عام خیالات جمع کرکے وہ اور زیادہ تر عام خیال پیدا کرتا ہے مثلاً آدمی بھی ایک عام خیال ہے اور درخت بھی ایک عام خیال ہے جس میں املی۔ امرود۔ آم وغیرہ سب طرح کے درخت شامل ہیں۔ اب آدمیوں اور درختوں میں دیکھا کہ نمو (بالیدگی) کے اعتبار سے یکساں ہیں تو ان دونوں کو ملا کر ایک اور زیادہ عام خیال پیدا کیا اور اسکا نام

جسم نامی رکھا۔ بس اسی طرح خیال عام کی تعمیم کو ترقی دیکر عام نام رکھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ کل مادی اشیا کی نوبت جسم کے نام پر پہونچ جاتی ہے +

(۱۰) حکمائے سلف میں یہہ مباحثہ بھی بڑا ہی شد و مد سے چلا آتا ہے کہ زبان عام ناموں سے یعنی کلیات سے پیدا ہوتی ہے یا خاص ناموں سے یعنی جزئیات سے ایک گروہ اونکا یہہ کہتا ہے کہ زبان کے وضع کرنے میں اول قدم یہہ ہے کہ خاص چیزوں کے نام خاص رکھے جائیں یعنی اسم بنائے جائیں جب دو وحشی کہ ایک دوسرے سے بعد عظیم پر رہتے ہوں اور کبھی انکو زبان نہ سکھائی گئی ہو وہ آپس میں مل کر رہیں تو وہ اپنی خاص آوازیں خاص چیزوں کے لئے مقرر کریں گے۔ جیسے کہ وہ ایک دوسرے کی ضروریات کو سمجھ سکیں۔ اور یہہ چیزیں وہ ہونگی کہ جن سے وہ زیادہ تر واقف ہونگے اور جن کے کہنے کا زیادہ موقع ہوتا ہوگا۔ ایک خاص گڑہا جس کے اندر بٹاؤ کے نیچے سوتے ہونگے۔ خاص درخت جسکے پھل سے پیٹ بہرتے ہونگے خاص چشمہ جسمیں وہ پیاس بجھاتے ہونگے۔ ان کے ناموں کے لئے وہ الفاظ گڑہا۔ درخت۔ چشمہ۔ وضع کرینگے۔ بعد ازاں جب انکا تجربہ بڑہتا جائے گا اور اونکو مجبوراً اور گڑہوں اور درختوں اور چشموں کا بیان کرنا پڑے گا تو انکی مشابہت اپنے پہلے گڑہے اور درخت و چشمہ کے ساتھہ دیکھہ کر حسب عادت اونکو بھی وہ گڑہا۔ درخت۔ چشمہ کہنے لگینگے۔ ان نئی چیزوں کا پرانی چیزوں کے ساتھہ مشابہ ہونا انکا نیا نام نہیں رکھنے دے گا۔ اس مشابہت کو دیکھہ کر ممکن نہیں کہ انکو پرانے نام نہ یاد آئیں۔ جب ان نئی چیزوں کا بتلانا منظور ہوگا تو وہ ان پرانی چیزوں کا نام لینگے جن سے کہ وہ نئی چیزیں مشابہت و اشتراک رکھتی ہیں۔ پس اس طرح سے جو کسی خاص چیز کا خاص نام تھا وہ عام نام ہو گیا یعنے اسم جزئی اسم کلی بن گیا۔ بچہ جو ابھی بولنا سیکھتا ہو ہر شخص کو اتا یا ابا کہے گا۔ پس خاص نام جو مخصوص دو آدمیوں کے ساتھہ تھے وہ عام ہر شخص کے ساتھہ کرتا ہے۔ پس اس طرح سے آدمی ایک خاص چیز کے خاص نام کو ان چیزوں کے گروہ پر اطلاق کرے گا جسکی ہر فرد پہلی

فرد کے ساتھ کسی بات میں اشتراک اور مشابہت رکھتی ہے - اس گروہ کی ہر فرد کے دیکھنے
سے اسکے ذہن میں وہی تصور پیدا ہوتا ہے جو اس خاص فرد اول کے دیکھنے اور اوس کے
نام سے پیدا ہوا تھا - نوع و جنس اسی طرح وضع ہوئی ہیں کہ جب آدمی اشیا کا ایک گروہ
ایسا دیکھتا ہے کہ جنکی افراد میں مشابہت یا شرکت ہوتی ہے تو اوسکو بالطبع اوسی خاص فرد اول
کا اور اسکے نام کا تصور ذہن میں پیدا ہوتا ہے - اس کل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ موضوع
عام ہوتا ہے اور موضوع لہ خاص - دوسرا گروہ اسکے مخالف یوں استدلال کرتا ہے کہ زبانوں
کی بناوٹ میں اصل مقدم عام کلمات ہوتے ہیں بچے اور وہ شخص جو زبان کم جانتے ہیں
جب وہ بولتے ہیں تو اس وجہ سے کہ خاص ناموں سے یعنی اسم جزئی سے واقف نہیں ہوتے
تمام کلموں میں اسم کلی کام میں لاتے ہیں جیسے کہ چیز - درخت - جانور بجائے اسکے کہ کسی چیز
کا کسی درخت کا کسی جانور کا خاص اسم لیں پس جو خاص اسم ہیں وہ اصل میں اسم
کلی تھے - تقریباً کل الفاظ عام کلیے ہیں - کیونکہ یہ امر شاذ و نادر ہوتا ہے کہ آدمی کسی
اسم کو ایجاد کرے اور اس کو بغیر دلیل کے اس کا یا اوس کا خاص نام بنا دے
پس اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ خاص چیزوں کے جو نام ہیں وہ ان کی نوع
کے نام ہیں - یہ ایک بحث فلسفیانہ ہے جو نہ کبھی ختم ہوئی ہے نہ ہوگی نہ اسکا
فیصلہ آخری ہوگا - مگر اس میں شک نہیں کہ پہلے کسی خاص گڑھے کا نام
گڑھا کسی خاص شہر کا نام شہر رکھا گیا ہوگا - اور اسی سبب سے سارے گڑھوں
کا نام گڑھا اور سارے شہروں کا نام شہر رکھا گیا - اور ان کے فرق پر کچھ
لحاظ نہیں کیا گیا +

باب دوم

زبان بھی ایک سائنس ہے

فصل اول بعض تمہیدی مسائل

(۱) اونیسویں صدی

خدا جانے زمانہ کا آغاز کب سے ہوا ہے اور اس میں کیا کیا ہو چکا ہے وہ سب بھلا انسان کب جان سکتا ہے۔ اگر اس پچھلی سولہ سترہ صدیوں کا حال بالتفصیل بالتحقیق معلوم ہے اور ان صدیوں سے کچھ پہلے صدیوں کا حال بالاجمال معلوم ہو کر جسکا سرا تو جانو نہیں اڑایا ہے تو سر کہیں باقی سارے زمانہ کا حال ایسی تاریکی میں چھپا ہوا ہے کہ عقل کی روشنی وہاں کچھ کام نہیں کرتی جن صدیوں کا حال معلوم ہے اُن میں یہ ہماری اونیسویں صدی اپنے وہ کمالات تعجب خیز اعجاز نما دکھا رہی ہے جو پہلے کسی صدی میں خواب و خیال میں بھی نہیں آتے تھے۔ اس نے وہ معارف یقینیہ و علوم تحقیقیہ منکشف کئے کہ جنسے جہاں آفریں کی عظمت سطوت صانع عالم کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کی بڑی سے بڑی نیچرل (فطرتی) ہیں وہ سپر نیچرل (معجزی) دکھانے کہ معجزات سے مستغنی کر دیا۔ نیچر کے اسرار کو عقل کی روشنی میں لا کر دکھا دیا۔ انسان کے دل کو وہ مشعر الہٰی و محل الہام ربانی بنایا کہ وہ معجزات سے بڑھ کر نفع خلائق کے کام کرنے لگا۔ اسی صدی کا کام ہے کہ ادھر محققین حقیقت جو نے اپنی جانفشانی سے پتھروں کے راز سربستہ کو کھولا اور ادھر علمائے علام اور فضلائے ذوی الاحترام نے اپنی جانکاہی سے الفاظ کے مخفی خزانوں کو ظاہر کر دیا۔ ایک طرف یہ سحر سامانی ہے کہ سڑک کے ان پتھر روڑوں میں جنکے اٹھالے میں اور ایسا کنارہ پر رکھنے میں مزدور بھی دل چراتا ہے انہیں ناچیزوں کی جستجو یعنی تحقیق طبقات الارض معجزات کی کیفیت دکھاتا ہے اور صدہا دلچسپ سبق علمی پڑھاتا ہے اور تاریخی واقعات کو جنہیں زمانہ دراز گذر گیا ہے آنکھوں کے روبرو لاتا ہے۔ دوسری طرف یہ تماشا حیرت فزا نظر آتا ہے کہ جن الفاظ کے مطالعہ سے طلبہ متنفر ہیں بیخبر سے محقق زبان نقاب اٹھا کے ان کی جلد کے نیچے

تاریخوں کی صدہا جلدیں سُنا رہا ہے۔ ایک لفظ مواعظ و قصص کے اور دوسرے لفظ معارف کے اسرار کھول رہا ہے۔ ہر لفظ کی پیدائش طفلی جوانی۔ پیری۔ موت اسکے قائم مقام وارثوں کو بتلا رہا ہے۔ وہ سمجھا رہا ہے کہ سبحان اللہ زبان بھی کیا مقدس و پاک سرزمین ہے کہ جس میں انسان کے خیالات کے ایسے زر و جواہر کے دفینے دفن ہیں کہ جن کی جوت سے آنکھوں کو چکاچوند لگتی ہے +

(۲) زبان کی تحقیقات کی وسعت اور اسکی اور علوم سے نسبت

زبان کی تحقیق کا میدان ایسا وسیع ہے کہ انسان خواہ اپنی جودت ذہن کے برق رفتار گھوڑوں کو کیسی ہی جولانیاں دے مگر وہ اسکی انتہا پر قدم نہیں رکھ سکتے۔ بھلا کہیں اس وسعت بے پایاں کا ٹھکانا ہے کہ قدیم زمانہ میں جو زبانیں زندہ تھیں یعنی بولی جاتی تھیں اور اب وہ مُردہ ہیں یعنی نہیں بولی جاتیں اُن کی تحقیق میں موشگافی اور زندہ زبانوں میں سے زبان کا اصل حال اسکے ہر لفظ اور کلمہ کی تحقیق۔ اسکی صرف و نحو کے ہر قاعدہ کی تشریح یہ باتیں کیسی دشوار ہیں اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ طلبہ کی الفاظ کی گردانوں سے روگردانی اور اُن کی تصریفات سے بھی بیزاری اور بھی محقق کی دل شکنی کرتی ہیں۔ اور علوم میں صریح فائدے طلبہ دیکھتے ہیں کہ کیمسٹری سے گو ہم کو سیم و زر بنانا نہیں آئے گا مگر لوہے کو سیم و زر سے زیادہ بیش قیمت بنا لینگے۔ علم طبقات الارض سے ہم معادن دریافت کر لینگے جو ہماری افزائش دولت کی معاون ہونگیں۔ زبان میں بھی کوئی قصہ دلپذیر یا نظم دلچسپ نثر دل آویز ہو تو اسکے مطالعہ میں بھی ایک لطف و مزہ ہے۔ مگر نفس زبان کی تحقیق کے روکھے پھیکے سوکھے مضامین میں کیا خاک دھرا ہے۔ نہ کوئی اس سے دولت ملتی ہے نہ کوئی راحت ہوتی ہے یونہیں ناحق کا دردِسر ہے۔ مگر جو محقق زبان ہے وہ اس میں اسرار عالم کا مشاہدہ کرتا ہے وہ ایک لفظ سے اُن واقعات کو قطعی ثابت کر دیتا ہے جو اور سو شہادتوں سے نہیں ثابت ہوتے غرض جسکو اس زبان کی تحقیق کا چسکا لگ گیا وہ دل و جان سے اُسپر فدا ہو گیا +

(۳) زبان کی اصل کی نسبت خیالات

زبان کی اصل بتلانا کہ کیا ہے نہایت مشکل کام ہے۔ اسکی نسبت علماء محققین نے تین خیال ظاہر

کرتے ہیں جنکی وجوہ کا بیان ہم آگے کرینگے اول یہ کہ زبان قدرتی آفرینش ہے دوم انسان کی وضع کی ہوئی صنعت ہے سوم عطیۂ الٰہی ہے ان تینوں صورتوں میں سے ہر صورت ایسی ہی اور ایسی شے نہیں کہ اس سے علاوہ مرتبگی کہیں سبقت لے گئی ہو یا اسکی ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہو اگر وہ قدرتی یا طبعی آفرینش ہے تو کل آفرینش کے سر کا تاج ہے اور قدرت کا نقش آخر ہے جس سے بہتر کوئی اور نقش نہیں بن سکتا۔ اس کی نقاشی کا اسی پر خاتمہ ہے۔ خاص انسان کے لئے اسے بنایا ہے۔ اگر وہ انسان کی وضع کی ہوئی صنعت ہے تو اس میں صنعت بشری قدرت الٰہی کے آگے بھاگ جا پہنچی ہے۔ اسمیں وہ شان ایزدی دکھائی ہے کہ کسی اور صنعت میں نہیں دکھائی اگر وہ عطیۂ ایزدی ہے تو کل عطیات الٰہی سے اعلیٰ و اعظم ہے۔ انسان کو اسکی برابر کوئی نعمت عظمیٰ خدا تعالیٰ نے عطا نہیں کی۔ اسلئے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے اور بندے اپنے خدا تعالیٰ سے زبان ہی کے ذریعہ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ نماز۔ دعا۔ درود وظیفہ۔ ساری عبادات جناب باری میں زبان ہی میں ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ اور عظمت کیا ہو سکتی ہے کہ انسان کو حیوان پر شرف صرف نطق ہی کے سبب سے حاصل ہوا ہے +

(۴) سائنس اور آرٹ کی تعریف۔

چونکہ یہ ثابت کرنا ہے کہ زبان بھی ایک سائنس اور آرٹ ہے اور سائنس اور آرٹ ایسے دو انگریزی لفظ ہیں کہ جنکے ہم معانی الفاظ اپنی زبان میں سمجھے نہیں معلوم اسلئے میں انہیں کو کام میں لاؤنگا۔ انکا تلفظ ایسا مشکل نہیں ہے کہ وہ ہماری زبان میں کھل ملکر شیر و شکر نہ ہو جائیں مگر معانی اصطلاحی انکے دقیق ہیں وہ ذرا توجہ سے طلبہ کو یاد رکھنے چاہئیں سائنس کے معنی یہ ہیں کہ حقائق تحقیقات کا علم جو دلائل عقلیہ پر مبنی ہو۔ وہ علم عرفی کو یا ادنیٰ علم کو مدلل بنا کے اعلیٰ درجہ کا علم بناتا ہے وہ علل کے عمل کو مفصل بتاتا ہے اور یہ دکھلاتا ہے کہ واقعات کو کس طرح قوانین یا قاعدے بناتے ہیں سائنس بہت سے مظہرات فطرت اور منظرات قدرت کی نظم و ترتیب قاعدے کو بیان کرتا ہے اور موجودات عالم کے اسرار کو نہایت دقت تحقیق سے انکشاف کرتا ہے۔ یہی معنی سائنس کے ہیں۔ آرٹ کا لفظ اوپر لکھا ہے۔ یہ دونوں حق کی تحقیق کرتے ہیں۔ سائنس کی تحقیقات علمیہ ہوتی ہیں اور آرٹ کی تحقیقات عملیہ ہوتی ہیں کسی چیز کی پیدائش کے واسطے سائنس حقائق کا اجتماع کرتا ہے

آرٹ عمل کی ہدایت کرتا ہے اور اُس کے قواعد کا مجموعہ بتاتا ہے۔ سائنس میں بحث ہوتی ہے کہ یہ ہے اور وہ نہیں ہے یہ واقع ہوتا ہے یہ نہیں واقع ہوتا۔ آرٹ میں بحث ہوتی ہے کہ یہ کرو اور اُس سے بچو۔ سائنس مظاہرات عالم کے قوانین کو منکشف کرتا ہے اور آرٹ ان کیا اثر کے پیدا کرنے کے لئے اسباب جمع کرتا ہے اور اُسکی علت غائی بتلاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ سائنس معارف یقینیہ و علوم تحقیقیہ کا نام ہے اور آرٹ اعمال یقینیہ و تحقیقیہ کا نام ہے +

(۵) سائنس کی ابتدا و انتہا +

اگر کسی سائنس کی تاریخ از ابتدا تا انتہا مطالعہ کرو تو تم کو یہ ثابت ہو جائیگا کہ ہر سائنس کی ابتدا کیسی کیسی خفیف و ادنی باتوں سے شروع ہوئی ہے اور کن کن چالوں سے اسکی بنیاد جمائی ہے۔ اجرام فلکی کے نام اب تک بتلا رہے ہیں کہ وہ کسی ملاح اور فلاح نے رکھے ہیں انکے پیشے کے کام اور یہ اجرام ہم نام ہیں جس سے کچھ شبہ نہیں رہتا کہ علم سیاحت کے بانی سیانے فلاح اور ملاح ہوئے ہیں جیومیٹری (علم ہندسہ) جسکے نام کے معنی (جیو زمین میٹری پیمائش) پیمائش زمین کے ہیں صاف بتلاتا ہے کہ کسی ہلواہے نے کوئی کھیت یا باغ ناپا ہوگا جسکے سبب سے اس علم کی بنا قائم ہوئی اور مہندس کوئی ہلواہا ہوگا اول سیاحت داں کوئی ملاح و فلاح علم فلاحت کا اول بانی کوئی باغبان مگر علم کی اس ابتدائی حالت کا نام سائنس نہیں ہے۔ اب ہم کسی ہلواہے کو مہندس نہ کسی ملاح و فلاح کو سیاحت داں نہ کسی گوبی بونے والے کو علم فلاحت کا عالم نہ کسی قصائی کو علم تشریح کا عالم کہہ سکتے ہیں زمانہائے دراز میں علم کی نوبت سائنس تک پہونچتی ہے تحقیقات پر تحقیقات متواتر رہتی ہیں۔ اغلاط پر اغلاط ہوتی ہیں پھر انکی اصلاح و صحت ہوتی ہے جب کہیں حقایق یقینیہ پر علم ہوتا ہے تو اس علم کا سائنس نام رکھا جاتا ہے +

(۶) سائنس کے لئے بکار آمد ہونا بھی ضرور ہے +

اسی سائنس میں انسان ترقی کرتا ہے کہ جس سے اس کا کام نکلتا ہے منفعت ہوتی ہے۔ اس منفعت ہی کا خیال طبیعت کو شوق دلا اور اسکی طرف توجہ دلاتا ہے اور اسکی تحصیل کی طرف ہمت بلند ہوتا ہے۔ جہاں سائنس سے آدمی کی مطلب بر آری موقوف ہوئی اس سے ہاتھ اٹھایا۔ اہل یوروپ نے اب علم کیمیا و علم نجوم یعنی جوتش کو اسلئے چھوڑ دیا کہ عقل و دانش کی ترقی کے سبب اب وہ سمجھنے لگے کہ ان علموں سے کوئی ہمارا کام نہیں نکلے گا نہ تو علم کیمیا سے ہم کو سونا بنانا آئیگا نہ جوتش ہماری پرالبدھ (قسمت) کی بدھ بدلیگی کیا وہ زمانہ جوتش کا یوروپ میں گذرا ہے کہ جوتشی بادشاہوں کے مصاحب و ہم نشین و مشیر ہوتے تھے

اور سیارت دان جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے یا اب جوتش کا نام بھی وہاں نہیں لیا جاتا غرض کسی سائنس کی ترقی اسکے بکار آمد و نفع رسانی خلائق پر منحصر ہے - یہی حال آرٹ کا ہی کہ جب تک وہ خلائق کو نفع پہونچاتا ہے جاری رہتا ہی نہیں متروک ہو جاتا ہے +

(۷) زبان بھی سائنس ہے +

میں نے جو اوپر تین چار دفعات لکھکر کاغذ سیاہ کیا تو اس سے میرا مطلب تھا کہ زمانہ حال میں علماء محققین جو زبان کو سائنس کہتے ہیں اسکے کیا معنی ہیں اسے بتلاؤں +

یہ امر مسلم ہے کہ سائنس سے کوئی عملی فائدہ پہنچنا چاہیئے - زبان کا سائنس ایسا ہی کہ آجکل کے زمانہ میں جو سود و بہبود کا مفہوم ہی اس سے کمتر حاصل ہوتا ہی - نہ تو اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ بہت سی زبانیں جلد سیکھ آ جائیں نہ کبھی خواب و خیال میں یہ امید ہوتی ہی کہ اس سے کوئی زبان ہمکو ایسی آ جائیگی کہ ساری دنیا اسے سمجھیگی اسکا موضوع صرف یہ ہی کہ زبان فی نفسہ کیا شی ہی - ایسی صورت میں امید نہیں ہوتی کہ پبلک کی توجہ اس سائنس کی طرف ہو - مگر یہ سائنس بہت سے سوالات جو بظاہر مشکل و خیالی معلوم ہوتے ہیں ایسے حل کرتا ہی کہ وہ تاریخ میں بڑا اثر نیک یا بد بہت بڑا رکھتے ہیں آپ سے پہلے زمانہ میں آدمی اپنے ایک تصویر کے لئے لڑنے کو اپنے ایک لفظ پر جان دینے کو موجود ہو جاتے تھے بعض سوالات ایسے تھے کہ انہوں نے اول زمانہ سے آخر زمانہ تک دنیا کو پریشانی و اضطراب میں ڈال رکھا ہے - ان سب باتوں کی مشکل آسان کرنی زبان کی سائنس سے تعلق رکھتی ہے +

یونانیوں کے ہاں میتھیولوجی ایک علم ہے کہ اس میں کل قوا و جذبات انسانی کو ایک ایک مجسم دیبی یا دیوتا سے تعبیر کیا ہی اور ان کے واسطے وہ نشانیاں مقرر کی ہیں جو انکی شان کے شایان ہیں - یہ میتھیولوجی زبان ہی کے مرض سے پیدا ہوئی ہی جو زمانہ قدیم میں انسان کے حق میں زہر سے کم اثر نہ رکھتی تھی - وہی لفظ جو پہلے کسی قوت و جذبہ انسانی کا نام تھا یعنی اسم یا صفت تھا اسی نے اپنی مجسم صورت بنائی - یونانی - رومی - ہندوستانی اور اور قوموں کے جو دیوتا ہیں وہ شاعرانہ نام ہی ہیں جنہوں نے رفتہ رفتہ خدا کی شان کو غصب کر لیا ہے اور اب وہ خدا بن بیٹھے ہیں - یہ الفاظ و اسم پہلے اسلئے نہیں وضع کئے گئے تھے - مثلاً سنسکرت میں دیوس ایک لفظ ہے جسکے معنی روشن آسمان کے ہیں جسکی شعاع زرین دنیا کی گود میں گرتی ہی اب اسکی ایسی کہانیاں جڑ گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے

وہ بھی کوئی خدا ہے جو سنگھاسن پر مورتوں کی صورت میں بیٹھا ہوا اپنے تئیں پجوا رہا ہے۔ اگرچہ ہمارے حال کی زبانوں میں اس میتھی اولوجی کی بیماری بہت کم ہو گئی ہے مگر بالکل دفع نہیں ہوئی قدیم زمانہ میں ایسے دو فرقے حکما کے گذرے ہیں کہ جنمیں سے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ مفہومات کلی کا وجود خارج میں موجود نہیں فقط الفاظ اور ناموں ہی کا وجود ہے۔ دوسرا فرقہ اسکے برعکس کہتا تھا اور اُنکو کافر سمجھتا تھا جو یہ کہتا تھا کہ ایسے الفاظ جیسے کہ سچ یا انصاف ہیں فقط مفہومات ذہنی ہوں اور اصلی چیزیں نہ ہوں جو دنیا میں ورزش میں چلتی پھرتی نہ ہوں +

زمانہ حال میں بعض بڑے بکھیڑے کے سوالات یعنی پولیٹکل (ملکی)، و سوشیل (تمدنی) پیش آتے ہیں کہ جنکے سمجھانے کے لئے یہی زبان کا سائنس بلایا جاتا ہے اس سائنس کے سبب سے یورپ کے نقشہ کی نئی صورت بلحاظ قوموں اور زبانوں کے بدلکر نئی بنی ہے۔ اسی سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبانوں کا ایک اصل سے اور قوموں کا ایک نسل سے پیدا ہونا ناممکن ہے +

زمانہ حال میں حکماء کی تحقیقات نے حیوان کے درجہ کو بہت بلند کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کل قوا جو انسان میں ہیں حیوان میں بھی موجود ہیں مگر سوا قوت ناطقہ کے پس انسان کو شرف حیوانات پر صرف اسی نطق کے سبب سے حاصل ہے پس جس سائنس کا موضوع نطق انسانی ہو اس پر سب علموں سے زیادہ توجہ کرنی چاہیے +

(۳) کوئی علم سائنس کے درجہ پر کب پہونچتا ہے۔

انسانی علم کے دو بڑے حصے ہیں جو اپنے موضوع کے اعتبار سے مادی سائنس و تاریخی سائنس کہلاتے ہیں مادی سائنس میں خدا تعالیٰ کے کام بیان ہوتے ہیں تاریخی سائنس میں انسان کے اپنے کام بیان ہوتے ہیں ہر مادی سائنس کے لئے یہ تین زمانے تحقیقات کے مقرر ہوتے ہیں اول زمانہ جسمیں افراد یعنی جزئیات کی تحقیقات ہو۔ دوسرا زمانہ جزئیات یا افراد کی اصناف اصناف سے انواع اور انواع سے اجناس بنائی جائیں تیسرا زمانہ جو ان دونوں زمانوں کے بعد آتا ہے۔ اسمیں استقراء سے قواعد کلیہ بنائے جاتے ہیں اور انکے احکام جاری ہوتے ہیں مثلاً بوٹنی یعنی نباتات کا سائنس ہے۔ اسکے لئے اول یہ چاہیے کہ دنیا کے نباتات کا جدا جدا حال معلوم ہو۔ پھر ان نباتات کی فرد فرد دیکھا جائے کہ کس کس میں کون کونسی باتوں میں توافق و تطابق تشابہ تخالف تقابل ہے اسکے موافق انکی اصناف انواع اجناس مقرر کی جائیں پھر ان دونوں مراتب کے طے ہونے کے بعد استقراء سے قواعد کلیہ مقرر ہوکے ان کے احکام جاری کئے جائیں پس ان مراتب ثلاثہ کے طے

ہونے کے بعد نباتات کا سائنس مدون ہوگا اگر ان تینوں زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ بھی خالی رہے گا تو معلومات کی مشعل سے مجہولات نہیں روشن ہونگے۔ پس ہم آگے یہ بیان کرینگے کہ زبان کی بھی یہ مراحل ثلاثہ طے ہو چکے ہیں اسلئے زبان بھی ایک سائنس ہے مگر بادی نہ تاریخی۔

(۹) زبان کی سائنس پر توجہ کرنی ضرور ہے

زبان کی سائنس کا موضوع یہ ہے کہ زبان کی نفس الامری واقعات کو جمع کریں اور پھر انکی تقسیم و تنوع اس طرح کریں جس سے معلوم ہو کہ زبان کی اصل سرشت جبلت کیا ہے اور اسکے قوانین کیا ہیں کچھ ضرور نہیں کہ جو شخص اس سائنس کی طرف توجہ کرے وہ بہت سی زبانیں جانتا ہو۔ گو یہ سچ ہے کہ زبان اپنے حسن و جمال کو بے نقاب و بے حجاب کر کے اس عالم کو دکھاتی ہے جسنے اسکی دقیقہ یابی اور نکتہ چینی میں مختلف زبانوں کے علم ادب کے مطالعہ میں عرق ریزی و جانفشانی کی ہو۔ مگر وہ اسنے بھی اپنے محاسن کو نہیں چھپاتی جو زبانوں کی چھوٹی چھوٹی فرہنگوں اور صرف و نحو سے واقف ہیں۔

گو بہت سی زبانیں ایسی دنیا کے پردہ پر سے معدوم ہو گئی ہیں کہ کہیں انکا پتا نہیں ملتا۔ مگر جتنی زبانیں خواہ زندہ یا مردہ موجود ہیں اور جتنی طرز و روش سے ان میں تکلم ہوتا ہے وہ اتنی موجود ہیں کہ زبان کے سائنس بنانے کے لئے کافی ہیں +

ایک یونانی ضرب المثل مشہور ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ واقفیت حقارت پیدا کرتی ہے جن چیزوں سے روز کام پڑتا ہے انکو ناچیز سمجھکر اسپر کچھ غور و تامل نہیں کرتے اور انہیں کسی ندرت کا گمان نہیں کرتے۔ روز سڑک پر جو روڑے پڑے دیکھتے ہیں کبھی یہ دھیان نہیں کرتے کہ وہ پنڈتوں کی طرح سنگھاسن پر بیٹھے گیتا پاٹھ رہے ہیں اور سائنس کے اسرار کھول رہے ہیں ایسے ہی جب کسی گنوار لڑکے کے منہ سے الفاظ سنتے ہیں تو اسپر یہ گمان بھی نہیں کرتے کہ وہ بھی سائنس کا بھید بتاتا ہے مگر خوب جان لینا چاہئے کہ عجائبات عالم میں سے الفاظ بھی ہیں جیسے کہ الفاظ پر عقل فرمانروائی کرتی ہے ایسی ہی عقل پر الفاظ اپنی حکمرانی کرتے ہیں الفاظ میں وہ زور و طاقت ہے کہ بڑے بڑے زبردست عاقلوں کی گردن میں کمند ڈال کے اپنی طرف گھسیٹ لیتے ہیں اور اُنکی رائے کے احکام کو پلٹ دیتے ہیں یہ امر نہایت افسوس کے قابل ہے کہ آدمی اور علموں پر تو ایسا فریفتہ ہو کر زمین کی آنتوں میں سے گھس کر خزانے نکال لائے۔ پھولوں کے کھلنے کے موسموں کے جاننے کے لئے جان کھپائے۔ اجرام فلکی کی حرکات

دسکتات دیکھنے کے لئے رات کو دوربین لگائے۔ براعظم کے جانوروں کی شناسائی کے لئے جویا ہو۔ دنیا کے طوفان کے قوانین سے آگاہ ہونے کی تکلیف اٹھائے جسم انسانی کی بوٹی بوٹی ہڈی ہڈی رگ رگ پٹھے وخون کے گوشت پوست بنانے کی حالتوں کے جاننے میں ہمہ تن مصروف ہو۔ مگر اس زبان کے سائنس سے اپنے تئیں محروم رکھے جسکے بغیر کسی علم میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔

یہ بھی یاد رکھو کہ کسی خاص زبان کا جاننا اور بات ہے اور مطلق زبان کا جاننا اور چیز ہے +

فصل دوم زبان کی پیدائش و تحقیقات زبان

(۱) زبان کا تشابہ پیدائش میں درخت کے ساتھ

پیدائش کے اندر زبان اور درخت کے درمیان تشابہ بعض محقق بتاتے ہیں مگر تشابہ و تقابل بڑے دھوکے کی ٹٹی ہوتے ہیں ہم درخت کی پیدائش کا اصل سبب نہیں جانتے پس ایسی دو چیزوں کے تشابہ و تقابل سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا کہ جبکہ ایک چیز کا حال کما حقہ نہ معلوم ہو اور دوسری چیز کا حال مجہول ہو۔ یہ تشبیہ کہنا جی کو بھلا لگتا ہے کہ جیسے درخت کا بیج بویا جاتا ہے وہ پھوٹتا ہے۔ بڑھتا ہے۔ کونپلیں پتے اور شاخیں نکلتی ہیں شاخیں چھوٹی بڑی ہری بھری پھولی پھلی ہوتی ہیں۔ کوئی انہیں کٹ کر والگ ہو کر گر پڑتی ہے سوکھ کر کانٹا ہو جاتی ہے پس یہی حال زبان کا ہے کہ اسکا بیج بویا جاتا ہے وہ پھوٹتا اُگتا بڑھتا ہے۔ شاخیں پتے نکالتا ہے شاخیں چھوٹی بڑی سوکھی ہری ہوتی ہیں ہے۔ کوئی انہیں تنہ میں لٹکتی رہتی ہے کوئی جلا ہو کر پژمردہ ہو جاتی ہے بعض پتے اُسکے علیحدہ ہو کر ایسے دور چلے جاتے ہیں اور سوکھ کر خاک میں مل جاتے ہیں کہ اُنکا پتا نہیں لگتا۔ مگر درحقیقت درخت اور زبان میں اصلی تشابہ فقط اس بات میں ہے کہ وہ اپنی پیدائش قائم بالذات نہیں رکھتے۔ درخت کی پیدائش کے لئے پہلے زمین۔ پانی۔ ہوا۔ روشنی کا ہونا ضرور ہے ان بغیر اسکی ہستی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسی ہی زبان کے لئے ایک زمین کی ضرورت ہے جس میں اسکا بیج ڈالا جائے اور یہ زمین انسان کا نفس ناطقہ ہے جسکے بغیر اسکا وجود ممکن نہیں یہ کہنا کہ زبان جنم لیتی ہے اور بڑھ کر بالغ ہوتی ہے اور بچے جنتی ہے اور مر جاتی ہے مجازاً زبان کو دیوتا بنانا ہے جسکی اب ضرورت نہیں +

(۲) زبان کی پیدائش میں لہجہ متکلم و محاورے کا اثر

زبان کا مقصود سوا اسکے کچھ اور نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے معانی کو الفاظ میں بیان کرے۔ اسکا ہر لفظ اصل میں کچھ معنی رکھتا ہے اور اسمیں اتنی ہی الفاظ ہوتے ہیں جو ہمارے معانی کو پورا پورا ادا کر دیتے ہیں اسلئے کم و زیادہ نہیں ہوتے۔ زبان کی پیدائش میں ایک لہجہ کا دوسرے محاورہ کا اثر پڑا ہوتا ہے لہجہ مخارج آواز سے متعلق ہے جو ایک زبان کے بولنے میں جدا جدا ہوتے ہیں دوسرا محاورہ اس طرز و روش تکلم سے متعلق ہے۔ جو ایک زبان کے بولنے میں مختلف ہوتے ہیں یہ دونوں زبان پر عمل کرنے میں ہم زبان ہوتے ہیں۔ مگر ان کے عمل جدا جدا ہوتے ہیں انکی تمیز کرنی ضرور ہے۔ لہجہ حذف و تخفیف و تبدل اکثر کرتا ہے اور محاورہ زبان میں زیادتی کرتا ہے۔ ایک کا کام تقلیل عدد دوسرے کا کام تکثیر ہے۔ لہجہ کی تقلیل کی مثالیں یہ ہیں کہ سنسکرت میں دو کو द्वि دوی کہتے ہیں اور دس کو दश دش اور دو ہائی کو द्विदशति دشتی کہتے ہیں اب द्वि دوی [میں] د دال کو حذف کیا تو वि دی رہا اور دشتی दशति میں دال द کو حذف کیا تو शति شتی رہا تو وی شتی विंशति دی شتی دو دہائیاں ہوئیں جسکے فارسی لہجہ میں بست اور ہندی لہجہ میں بیس ہو گئے سنسکرت میں स्वसृ سوسر بہن کو کہتے ہیں اور سنسکرت کا स س = فارسی خ تو سوسر = خواہر اور ہ = خ تو فارسی لہجہ نے سوسر کو خواہر بنا دیا۔ اور ایسے ہی سنسکرت میں دُہتر کو دختر بنا دیا +

(۳) محاورات کا اثر

محاورات کے اثر کے معنی سمجھیے کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ زبان انسان کی ذات کے ساتھ قائم ہے خود قائم بالذات نہیں ادھر آدمی کے منہ سے لفظ نکلا ادھر ہوا پھر وہ نہیں سنائی دیتا۔ یہ امر ایک اتفاقی ہے کہ زبان کی تحویل تحریر میں ہوئی ہے اور تحریر ہی علم ادب زبان کا مرکب بن گیا ہے ورنہ ابتک دنیا میں انہیں زبانوں کی کثرت ہے جو تحریر میں نہیں آئیں اور انکا علم ادب مدون نہیں ہوا۔ وسط ایشیا۔ افریقہ۔ امریکہ۔ پولی نیشیا کی بہت سی قوموں کی زبانیں اپنی طبعی حالت میں ہیں۔ علما محققین کو انہیں طبعی زبانوں کی کیفیت نظر آتی ہے۔ طبیعی زبان سے ایک مصنوعی زبان بنتی ہے تو اسکا علم ادب مرتب ہوتا ہے۔ زبان کی اصل محاورات ہیں علم ادب خواہ کیسا ہی دست غضب اپنا دراز کرے مگر برسوں میں بھی محاورات کو وہ غارت نہیں کر سکتا یعنی زبان خواہ کیسی ہی شائستہ

وہ مہذب ہو جائے وہ گنواروں کے محاورات کو جو زبان کی اصل بنیاد ہے استعمال نہیں کر سکتی یہ کہنا غلط ہے کہ گنوار کتابی محاورات کو بگاڑ بگاڑ کر بولتے ہیں بلکہ یہ کہنا سچ ہے کہ گنواروں کے محاورات سنوار سنوار کر کتابوں میں لکھے جاتے ہیں اسلئے کہ ہمیشہ زبانی محاورات کو تحریر پر تقدیم ہوتی ہے وحشی قوموں کی زبانوں کی تحقیقات کا بار جن محققین نے اپنے سر پر لیا ہے انہوں نے یہ خوب تحقیق کر لیا ہے کہ جب تک زبان کے منہ میں تحریر کا دہانہ اور لگام نہیں لگائی جاتی وہ شتر بے مہار رہتی ہے اور اُس کے محاوروں میں تغیر جلد جلد ہو جاتا ہے۔ وحشی قومیں جہاں ہمسایہ میں بھی رہتی ہیں وہاں ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا و بیگانہ ہوتی ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اُنکے محاورات میں اختلاف ہوتا ہے۔ اُنکے محاورات کے اختلافات وحدت میں کثرت کا تماشا دکھاتے ہیں۔ یعنی ایک ہی زبان کے بولنے والے اپنے تکلم کی طرز اور محاورات کی روش ایسی رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کی بات کو نہیں سمجھتا کہ کیا کہتا ہے۔ ملک برہما میں اراکان و پیگو کا علم ادب مدون ہے مگر جزیرہ نما ایراوتی کے سلسلہ کوہستان میں جو آزاد قومیں رہتی ہیں انمیں فقط تیس چالیس کنبوں میں ایک زبان بولی جاتی ہے اور باقی کنبوں میں اسی طرح اور زبانیں بولی جاتی ہیں ہمسایوں میں زبان کا اختلاف ہے۔ اگر کوئی فرقہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جا بسا تو دو تین نسل میں وہ اپنے اصلی وطن کی بولی سمجھیگا نہ وطن میں کوئی اوس کی بولی سمجھے گا شمالی وسط ایشیا میں مغلوں کے محاورات کی کیفیت یہی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبان کے قدرتی بہاؤ کا یہ اقتضا ہے کہ وہ بے شمار محاوروں کی رَوؤں میں رواں ہو مگر علم ادب کی تدوین اسکو بہنے سے باز رکھتی ہے اور روک رکاؤ کرکے ایک پائدار بنیاد پر قائم کرتی ہے اگر کسی ایک زبان کے بولنے والوں کا دائرہ فراخ ہو اور اس میں بکثرت اہل زبان اپنی زبان پر قدرت رکھتے ہوں تو اسمیں ایک اہل زبان خواہ کیسا ہی زبان داں ہو اور قدرت بیان رکھتا ہو اور ایک اپنی طرز خاص کا موجد ہو اور اُس کے بکثرت مقلد بھی ہوں تو بھی اُس کے محاورات کا اثر بہت ہی کم ہوگا اسکے محاورات وہی مروج ہونگے جو اصلی جو ہر رکھتے ہونگے۔ اسلئے بڑے ملکوں میں جہاں علم ادب مدون ہو گیا ہے اس میں سخنور خواہ کیسا ہی عالم متبحر ہو تغیر نہیں پیدا کر سکتا۔ برخلاف اس کے جہاں زبان کا حلقہ چھوٹا ہے اور اُسکے بولنے والوں کی تعداد کم ہے اس میں ایک سخن شناس جو زبان پر

قادر ہوگا بہت تغیر پیدا کریگا۔ وہاں کوئی حریف رقیب اسکا روکنے کے لیئے مقابل میں کہڑا ہی نہیں ہوگا جس گروہ کی زبان قلم بند نہیں ہوئی اگر وہ گروہ فرقوں میں متفرق ہوجاے تو پہر اسکے محاورات خانہ خراب ہوکر کہیں سے کچھہ ہوجائینگے۔ ایک زبان کے بولنے والوں کی جتنی کثرت ہوگی اتنی ہی اس زبان کو پایداری و استواری حاصل ہوگی اور جتنی بولنے والوں کی قلت ہوگی اتنی ہی اس کو ناپایداری ہوگی اور جلد اسمیں تنزل و تبدل ہوجائیگا جب کسی زبان کے بولنے والے کم ہوتے ہیں تو تصورات کم ہوتے ہیں اور جب تصورات کم ہوئے تو الفاظ کم ہونگے اور کمی الفاظ کی بہول بہلیوں میں خیالات چکر لگاتے پہرینگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زبان کے تغیر و تبادل لہجہ و محاورات کو بہت دخل ہے

(۴) زبان کی نسبت متقدمین کے خیالات۔

زمانہ قدیم سے انسان نے اپنی بول چال پر بہت غور و خوض کی ہے اور اُسکی نسبت اپنے خیالات ظاہر کیئے ہیں سب سے زیادہ علم زبان کی طرف اہل ہند اور اہل یونان نے توجہ کی ہے مگر جو کچھہ انہوں نے اپنے فکر و غور سے زبان کی نسبت لکہا ہے وہ ایسا ہی جیسا کہ وہ شخص ونٹ کا حال لکہے جسنے کبہی ونٹ اور ریگستان کی صورت نہ دیکہی ہو۔ ویدکی زبان کا مرتبہ برہمنوں نے خدا تک پہنچایا ہے۔ یہ برہمنوں کا قاعدہ اور دستور ہے کہ جب وہ کسی چیز کی اصلیت سے واقف نہیں ہوتے تو وہ اُسکو خدا بنا دیتے ہیں زبان کی مخاطبت میں وہ اپنے ہومسوں میں یہ کہتے ہیں کہ تو ازل سے دیوتاؤں کے ساتہہ ہے اور ہمیشہ عجیب غریب کام کرتی رہی ہے اور کبہی تیرا علم انسان کو پورا پورا نہیں ہوا وہ اسمیں دہوکا رہا۔ برہما میں زبان کو گاے اور سانس کو سانڈ لکہا ہے اور بچہڑے کو آدمی کا من قرار دیا ہے۔ واچ جو زبان کی دیبی ہے وہ رگ وید کے دسویں دہیاے کے ۱۲۵ ویں اسٹوک میں اپنی نسبت یہ اشلوک کہتی ہے کہ میں منش (آدمی) اور دیوتاؤں کے لیے بہگت ہوں جنپر میں دیا (محبت) کرتی ہوں اُنکو بلوان (طاقت ور) کرتی ہوں اسکو برہمن بناتی ہوں اُسکو بڑا اوتار بناتی ہوں اُسکو بید وان (عاقل) بناتی ہوں۔ رودر (گرج کا دیوتا) پر کمان کہینچتی ہوں برہمنوں کے بیریونکو مارتی ہوں۔ آدمیوں کے واسطے لڑتی ہوں۔ دہرتی و اکاش (زمین آسمان) کے بیچ میں پہیلی ہوئی ہوں۔ اس سنسار کی چوٹی پر میرا باپ ہے میری اصل سمندر کے جل میں ہے۔ وہاں سے کل موجودات عالم میں نفوذ کرتی ہوں اپنی بلندی کو آسمان تک چہواتی ہوں۔ میں خود ہوا کی طرح سانس لیتی ہوں ساری موجودات کو اپنی بغل میں لیتی ہوں

جو اس کا حق ہے ادا کرے اور اس دہرتی سے باہر ہے ایسی بہری بڑائی ہے انتہیٰ

برہمن موجودات عالم میں سب سے بڑا ہے وہ گویائی کے سبب سے پہچانا جاتا ہے۔ بلکہ گویائی خود بزرگ برہمن ہے۔ اہل یونان نے گو زبان کو خدا کے درجہ پر نہیں پہنچایا مگر اسکی تعظیم و تکریم بہت کی۔ جتنے مذاہب قدیمہ فلسفی کے ہیں انمیں کوئی ایک بھی خالی نہیں جس میں زبان کے باب میں اقوال فلسفیانہ موجود نہ ہوں۔ اہل یونان کو اہام دانش جیسا تعجب خیز زبان میں جو عالم ظاہری و باطنی کی تصویر ہے ہوا ہے ایسا عالم ظاہر و باطنی کی کسی شئے میں نہیں ہوا۔ قدیم سے یہ سوال کہ زبان کیا شی ہے ان سوالات کے ساتھہ چلا آتا ہے کہ من کیا ہے۔ من کے گرد کیا شئی ہے۔ انہیں سوالات سے اہل یونان کے مباحثوں و مناظروں کی رزم گاہ گرم رہا کرتی تھی +

(۵) زمانہ قدیم میں غیر زبانوں کا مطالعہ۔

زمانہ حال میں غیر زبانوں کے سیکھنے کا رواج ہوا ہے اب تو وہ ایک پیشہ ہو گیا ہے جسکو صد ہا اہل علم اختیار کرتے ہیں اسکا شوق کسی کو قدیم زمانہ میں شاذ و نادر ہی ہوا کرتا تھا۔ یونان میں کسی کو یہ شوق پہلے زمانہ میں کبھی نہیں ہوا کہ وہ غیر زبان سیکھے۔ وہ غیر زبان کیوں سیکھتے اسلئے کہ انہوں نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا ایک میں اہل یونان تھے دوسرے میں باربیرین یعنی ایسے آدمی کہ جو زبان وہ بولتے ہوں اچھی طرح سمجھہ میں نہ آئے۔ ان باربیرین کی گفتار۔ رفتار۔ اطوار سیکھنے کو یونانی اپنا ننگ و عار سمجھتے تھے۔ قدیم زمانہ کا دستور تھا کہ جو قومیں سربرآوردہ تہذیب و شائستگی میں ہوتیں وہ اپنے سوا اور ساری قوموں کے نام ایسی رکھتیں جسکے معنی بہرے گونگے یا اچھی طرح نہ بولنے والے کے ہوتے تھے۔ اہل عرب نے اپنے سوا ساری قوموں کا نام عجم رکھا تھا جسکے معنی کند زبان و گونگے کے ہیں ہندو اپنے سوا اور قوموں کو ملیچھ کہتے تھے جسکے معنی ایسے آدمی کے ہیں جو اس طرح بولے کہ اچھی طرح سمجھہ میں نہ آئے شائستہ قوموں کے دماغ میں یہ نخوت سمائی ہوئی تھی وہ غیر قوموں کی زبان کب سیکھتی تھے جب یونانیوں کو غیر قوموں کے ساتھہ گفت و شنید کی ضرورت پڑی تو انہوں نے یہ چاہا کہ ان غیر قوموں کی زبان سیکھیں مگر مشکل یہ پیش آئی کہ جب تک فریقین اپنی اپنی زبان میں باتیں کریں تو کیونکر وہ ایک دوسرے کی زبان سیکھہ سکتے ہیں یہ مان لو کہ اول اول یونانیوں نے غیر زبانیں اسطرح سیکھہ لی ہوں جس طرح بچے زبان سیکھتے ہیں۔ قدیمی مورخ جن ترجمانوں کا یعنی دو بھاشیوں کا ذکر کرتے ہیں کہ

وہی دوغلے آدمی تھے جنکے ماباپوں کی زبانیں ایک دوسرے سے غیر تھیں سامی اکریس پادشاہ میڈیا نے جب اُس کے ملک میں ستھیا والوں کا ایک گروہ آگیا تھا یہ حکم دیا تھا کہ بچے انکے حوالے کئے جائیں کہ وہ انکی زبان اور تیراندازی سیکھیں جو یونانی اور غیر یونانی ماباپوں سے بچے پیدا ہوئے تھے وہ ضرور ماں اور باپ کی زبانیں جانتے ہونگے۔ وہی ترجمان بنتے ہونگے اور جب اس پیشہ ترجمانی کی آمدنی زیادہ ہوئی ہوگی تو بہت سے آدمی ترجمان بن گئے ہونگے۔

یونان اور ایران کے درمیان جب لڑائیاں ہوئی ہیں تو اہل یونان نے یہ جانا ہے کہ اور قوموں میں بھی زبان واقعی زبان ہوتی ہے سکندر کی فتوحات عظیم نے انکو اور بھی قوموں اور زبانوں کے حالات سے واقف کردیا جب سکندر ہندوستان میں آیا ہے اور برہمنوں کو یہ سمجھکر کہ قدیمی علوم مخفیہ وہ رازدار محافظ ہیں بلاکر گفتگو کی ہے تو وہ جو سوالوں کے جوابات دیتے تھے تو انے ترجمانوں کی ضرورت پڑتی تھی کہ ایک پنڈت برہمن نے کہا کہ ہمارے جوابوں کا حال ایسے پانی کا سا ہوگیا ہے جسکو بہت سی گندی نالیوں میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ گو پہلے سیاحوں کی سیاحت اور حکایات بہت مشہور ہیں کہ ہندوستان میں لائی کرگس مقنن یونان حکیم فیثاغورس اور بعض اور مشہور نامور آئے مگر وہ سب جھوٹی معلوم ہوتی ہیں جو سیاح کسی ملک کی زبان نہیں جانتے تھے وہ کیسے اوسکے دیہات قصبات شہروں چھاونیوں میں جاتے ہونگے سیاح کے لئے ضرور ہے کہ جب غیر زبان قوموں میں جائے تو کیا خود اونکی زبان کسی قدر جانتا ہو یا کوئی ترجمان اسمیں اور انکے درمیان میانجی ہو۔

(۶) زبانوں کی تحقیقات مختلف زمانوں میں۔

زمانہ سابق میں یورپ کی زبانیں یونانی لاٹین وغیرہ تھیں وہ مغربی زبانیں کہلاتی تھیں اور ایشیا کی زبانیں عبرانی۔ عربی۔ سریانی وغیرہ تھیں وہ مشرقی زبانیں کہلاتی تھیں۔ بہت دنوں علماء محققین اسکے درپے رہے کہ عبرانی زبان کو اور سب زبانوں کی اصل ثابت کریں کیونکہ ان کے نزدیک حضرت آدم عبرانی زبان بولتے تھے اسلئے سب زبانوں کی اشتقاق کا مادہ عبرانی ہونا چاہیے عہد عتیق عبرانی زبان میں لکھا گیا ہے۔ وہی انسان کی زبان سب سے اول ہے۔ عہد عتیق کا ایک مفسر لکھتا ہے کہ حضرت آدم نے جو عبرانی زبان سکھائی تھی وہ دنیا کے اس حصہ میں باقی رہی جسکو خدا نے اپنے لئے پسند کیا تھا اور باقی دنیا جو خداتعالی نے کسی فرشتہ کے حوالہ کی تھی اسمیں وہ عبرانی زبان قائم

نہیں سی ہی کچھ اور زبان بن گئی غرض یہ مدتوں تک خبط ان علما کو رہا کہ عبرانی زبان سب زبانوں کی
ماں ہے اور یہ اور زبانیں یونانی لیٹن۔ کوپک۔ فارسی عربی اسکی بیٹیاں نواسیاں ہیں۔
سب زبان کا مرجع عبرانی زبان ہے۔ سترہویں اٹھارہویں صدی میں بڑے بڑے محققین نے
اپنے ذہن نقاد و فکر وقاد کو عبرانی زبان کو اور زبانونکے مرکز بنانے میں اسی طرح ضایع کیا جس طرح
کہ زمین کو اجرام فلکی کے مرکز بنانے میں علم ہیأت کے محققین نے ضایع کیا تھا۔ بہت سی کتابیں
اسی مضمون پر تصنیف ہوگئیں کہ یونانی لیٹن اور کل زبانیں عبرانی زبان سے مشتق ہوئی ہیں
مگر کسی طرح سے اصل مطلب حاصل ہوا تو آخر سوال یہ پیش ہوا کہ کسطرح سے اور زبانوں کا ماخذ عبرانی
زبان ہوسکتی ہے۔ اس سوال کے حل ہونے سے مشکل سہل ہوگئی۔ عہد عتیق و عہد جدید کا ایک لفظ اس
اعتقاد کی شہادت نہیں دیتا کہ سب زبانوں کی اصل عبرانی زبان تھی۔ خدا معلوم کہ حضرت آدم کی
زبان کیا تھی۔ توریت میں لکھا ہے کہ تمام زمین پر ایک ہی زبان اور ایک ہی بولی تھی جب وہ پورب سے
روانہ ہوئے تو ایسا ہوا کہ انہوں نے سنعار کے ملک میں ایک میدان پایا۔ اور وہاں رہنے لگے
اور آپس میں کہا آؤ ہم اینٹ بناویں اور آگ میں پکاویں سو انکو پتھر کی جگہہ اینٹ اور گچ کی جگہہ
گارا تھا۔ اور انہوں نے کہا کہ آؤ ہم اپنے واسطے شہر بناویں اور ایک برج جسکی چوٹی آسمان
تک پہونچے بناویں اور یہاں اپنا نام کریں۔ ایسا نہو کہ تمام روے زمین پر پریشان ہوجاییں
اور خدا اس شہر اور برج کو جسے بنی آدم بناتے تھے دیکھنے اترا۔ اور خداوند نے کہا کہ دیکھو
لوگ ایک ہیں اور ان سب کی ایک ہی بولی ہے۔ اب وے یہ کرنے لگے سو وہ جس کام کا ارادہ
رکھینگے اس سے نہ رک سکینگے۔ آؤ ہم اتریں اور انکی بولی میں اختلاف ڈالیں تاکہ وہ ایک دوسرے
کی بات نہ سمجھیں۔ تب خداوند نے وہاں سے تمام روے زمین پر پراگندہ کیا۔ سو وہ اس شہر کے بنانے سے
باز رہے اسلئے اس کا نام بابل ہوا کیونکہ خدا نے وہاں ساری زمین کی زبانوں میں اختلاف
ڈالا۔ اور وہاں سے خداوند نے انکو تمام روے زمین پر پراگندہ کیا۔ باب پیدایش ایات ۱-۹ تک
بابل کے انتشار کے بعد جو زبانیں پیدا ہوئیں انمیں ایک عبرانی زبان بھی ہے۔ نہ وہ حضرت آدم
کی بولی تھی نہ کل دنیا کی اس حالت میں تھی کہ ایک ہی زبان سب آدمی بولتے تھے۔ غرض سمی
زبانوں سے یعنی عربی عبرانی سریانی سے اہل یورپ جب واقف ہوئے ہیں تو سترہویں صدی

میں زبانونکی تقسیم شروع ہوئی مگر یہ تقسیم کچھہ سائنٹیفک نہ تھی کہ اسمیں زبانوں کی ترتیب انکی خصوصیات و مشتبہات کا خیال کیا جاتا + یہ تعصب کہ عبرانی زبان سب زبانونکی اصل ہے علامہ متبحر لیبنیز نے توڑا - اسنے یہ ثابت کیا کہ عبرانی زبان کا ساری زبانوں کا اصل ہونا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا کہ ڈچ کا کہنا کہ ہماری زبان بہشت میں بولی جائیگی - عبرانی زبان کو سب زبانونسے اول زبان کہنا ایسا ہی جیسے کہ کسی درخت کی شاخوں کو کہنا کہ یہی سب سے اول شاخیں ہیں یا یہ کہنا کہ کسی ملک میں درختونکی بجائے کٹے ہوئے گدے درخت اگتے ہیں یہ باتیں قوانین فطرت کے برخلاف موجودات عالم کی موزونیت کے برعکس بلکہ خدا تعالی کی حکمت و دانائی کے خلاف کب تصور میں آنے کے قابل ہیں غرض اسی حکیم نے زبان کی تحقیق کی راہ میں جو پتھر ایسے جمے پڑے تھے کہ جنپر راہرو ٹھوکر کھاتے تھے اٹھا کے پھینکدیئے اور راہ کو پاک صاف کر دیا جو باتیں تکلیس اور تحقیق سچی کی جاتی تھیں انکو روک دیا اور سائنٹیفک تحقیقات کا باب کھول دیا - اسنے تمام مشنریوں سیاحوں سفیران سلطنت - بادشاہوں شہنشاہونکو لکھا کہ وہ زبانونکی تحقیقات کے باب میں اسے آگاہی فرمائیں چاروں طرف سے اس پاس جواب آنے شروع ہوئے یہانتک کہ چین کے ملک سے بھی کسی صاحب نے چینی زبان کی بابت بہت کچھہ لکھہ بھیجا - یہ چینی زبان اور سب زبانوں میں انوکھی ہے - ۲۶ اکتوبر ۱۷۱۳ء کو پیطر اعظم شہنشاہ روس کو اسنے اپنی عرضداشت بھیجی جسمیں لکھا کہ حضور کی سلطنت میں اور اسکی سرحد و نیز بہت سی زبانیں ایسی بولی جاتی ہیں جو ابتک نہ تحریر میں آئیں نہ کسی نے ان کو مطالعہ میں غور و توجہ کی حضور مختلف قوموں پر فرمان روا ہیں اور انکے دل سے بہی خواہ اسلئے ان قوموں کی زبانوں کی ڈکشنریاں یا چھوٹی چھوٹی فرہنگیں بنوائیں اور انجیل احکام عشرہ و نماز کی کتاب کے ترجمے کرائیں جس سے حضور کی شان و شوکت کا اعلان ہو - ان زبانوں کے باہم مقابلہ کرنے سے ان قوموں کی اصل معلوم ہوگی جنکی نسل سیتھیا سے جو آپ کے ماتحت ہے بڑھ کر حضور کے ملک میں آگئی ہے - اس سے بڑھ کر یہ فائدہ ہوگا کہ ان قوموں کے مزرعہ دل میں مذہب عیسوی کا درخت لگایا جائیگا اگرچہ لیبنیز نے زبانونکی سائنٹیفک تقسیم کامیاب نہیں ہوا - مگر اسکو یقین تھا کہ کل زبانیں ایک اصل مشترک رکھتی ہیں اور مشرق سے مغرب میں آدمیوں نے نقل مکان کیا ہے - مگر اسکی کوشش کا نتیجہ یہ تھا کہ آئندہ مشنریوں اور پادریوں کو توجہ اس طرف ہوگی کہ جب وہ کسی قوم میں جاتے تو اس کی

زبان کی فرہنگ بناتے اور صرف و نحو مرتب کرتے +

لیبنیٹز کے بعد مسٹر ہاردیس نے کام کیا کہ زبانوں کی فہرستیں بنائیں اور انکا مطالعہ فلسفیانہ شروع کیا یعنی اس طرح جیسے کہ علوم محققہ کا مطالعہ ہوتا ہے کہ معلومات سے مجہولات کو دریافت کرتے ہیں تحقیقات کا طریقہ سائنٹیفک یہ ہے کہ زمانہ حال میں جو زبانیں کہ بولی جاتی ہیں اور جنپر ہماری رسائی ہو سکتی ہے انکو تحقیق کرکے ابہمیں مقابلہ کرتے ہیں اور یہ دریافت کرتے ہیں کہ کونسی باتیں اشتراک رکھتی ہیں اور کونسی باتوں میں افتراق و اختلاف جب امور تحقیق ہو کر فیصل ہو جاتے ہیں تو اس زمانہ حال سے پچھلے اوپر کے زمانہ کی زبانوں کی ایسی تحقیقات کرتے ہیں کہ جس سے زبانوں کی اصل اور قرابت رشتہ مندی معلوم ہو۔ پس اسی طرح قدم بقدم تھم تھم کر آگے بڑھتے جاتے ہیں کہ نہایت قدیمی زبانوں تک پہنچ جاتے ہیں جنکی تحلیل سے نتایج یقینیہ حاصل ہو جاتے ہیں +

۱۸۰۰ء میں سپین کی زبان میں ہاروس نے چھہ جلدیں زبانوں کی فہرستوں کی چھاپ دیں۔ گو اس تصنیفات میں پچھلی تحقیقات سے اغلاط معلوم ہوئی ہوں مگر یہ احسان مصنف کا محققین زبان پر ایسا ہی کہ سب پر اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ پیٹر اعظم نے بھی اپنی سلطنت میں جتنی قومیں رہتی تھیں انکی زبانوں کو جمع کر دیا۔ بلکہ کیتھرین کو بھی یہ خیال لیبنیٹز کی ہدایتوں سے پیدا ہوا کہ ایک ڈکشنری کل زبانوں کی تصنیف کرائے۔ اس ملکہ نے اپنا بہت سا وقت اسکی تصنیف میں صرف کیا۔ ظاہر ہے کہ جب خود ملکہ کو یہ شوق ہو تو اس کی سلطنت کے عالموں کو کیونکر اپنی ملکہ کی تائید کا خیال نہ ہوا ہوگا۔ کل سفیر جو مختلف سلطنتوں میں رہتے تھے وہ اسطرف متوجہ ہوئے۔ نتیجہ ان سب کی سعی کا یہ ہوا کہ ۱۷۸۷ء میں ایک ڈکشنری مطبوع ہوئی جسمیں ۲۸۵ الفاظ کے معانی یورپ کے ایکاون زبانوں میں اور ایک سو انچاس مشرقی زبانوں میں لکھے گئے۔

لیبنیٹز نے جو زبانوں کی تحقیقات کا بیج بویا تھا وہ خوب بار ور ہوا۔ ہاروس ملکہ کیتھرین اے ڈولنگ کی تصنیفات سے زبانوں کی تقسیم و تنوع کی بنا قائم ہوئی۔ زمانہ حال کی تحقیقاتوں نے ان پرانی تصنیفات کو تقویم پارینہ بنا دیا ہے۔ ان تصنیفات میں بڑا نقص یہ تھا کہ محققین زبان سنسکرت سے ناآشنا تھے۔ اس تحقیقات کی تکمیل سنسکرت ہی سے ہوئی ہے +

(۷) زبان سنسکرت

دنیا کی ساری قوموں میں یہ شرف ہندوستان کے پنڈتوں ہی کو حاصل ہے کہ سب سے اول انہوں نے اپنی زبان سنسکرت کی ویاکرن کو مدون کیا ہے ویاکرن کے معنی تحلیل کے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں انھوں نے اپنی زبان کے سارے شبدوں (لغات) کے دہاتو (مادہ) ۲۰۰۰ دریافت کیئے ہیں جنکو اب یوروپ کے محققین گھٹا کے آٹھ سو کہتے ہیں جو ایک ایک تصورات سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان مادوں سے صیغوں کے اشتقاق و گردانوں کے قواعد مقرر کیئے اور الفاظ کی تقسیم اسم فعل میں کی فاعل مفعول ضمیر۔ حروف روابط وغیرہ کی اصطلاحیں بنائیں جسوقت کہ دنیا میں کسی زبان کی صرف و نحو کا نام نہ تھا اسوقت سنسکرت کی ویاکرن پانینی کی موجود تھی جسمیں زبان سنسکرت کے کل قواعد اور خلاف قیاس و شاذ موجود تھے۔

(۸) زبان کا سائنس بننا۔

جب تک اہل یوروپ کو زبان سنسکرت پر پورا پورا علم نہ ہوا۔ زبان کو سائنس بنانا نصیب نہیں ہوا۔ اہل یوروپ کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی امر کی تحقیقات کے درپے ہوتے ہیں تو اس کا پتا پتال تک لگاتے ہیں آج کل انہوں نے غیر زبانوں کی تحقیق کر کے اپنی زبانوں میں ڈکشنریاں بنائی ہیں اور ہر زبان کی گریمر (صرف و نحو) جدا جدا اپنی زبان میں لکھی ہے۔ پھر ان گریمروں کا تشارک و تفاوت تحقیق کیا مثلاً زبان سنسکرت نے اسکا یونانی زبان سے مقابلہ اس طرح انھوں نے کر کے انکی مشابہت ثابت کی کہ دونوں زبانوں میں ان الفاظ کو لیا جن کا سب زبانوں میں اصلی ہونا ضرور ہے جیسے گنتی۔ اعضاء جسمانی۔ رشتہ داروں کے لئے الفاظ جو ایک زبان والے دوسری زبان سے مستعار نہیں لے سکتے جب تک کہ وہ اپنی دیسی زبان سے متعلق نہ ہوں سو اس قسم کے الفاظ میں نہایت مشابہت پائی سنسکرت میں گنتی کے الفاظ ایک سے دس تک ہیں۔ ایک۔ دوی۔ تری۔ چتر۔ پنچ۔ شٹ۔ ست۔ اشٹ۔ نو۔ دس انہیں کے ہم مخرج الفاظ یونانی زبان میں ہیں۔ پھر بیس تیس چالیس پچاس وغیرہ بنانے کے جو قاعدے سنسکرت میں ہیں وہی یونانی زبان میں ہیں غرض ان دونوں زبانوں کے الفاظ میں تشابہ و گریمروں میں توافق اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں کسی ایک زبان کی بیٹیاں ہیں بلکہ سنسکرت کو نہ ما

کی زبان سے جسکو ژند کہتے ہیں اس طرح ملایا تو معلوم ہوا کہ وید کی زبان اور ژند کی زبان ایک ہی زبان ہے
محققین زبان نے یہ اعجاز کیا ہے کہ زبانوں کے الفاظ کے جوہر و مادے تحقیق کئے اور پھر ان کے مختلف
صیغوں کے اشتقاق کے قاعدے دریافت کئے - اصل مادوں کی قسمیں مقرر کیں فعل - اسم - حرف - روابط
کو خوب تحقیق کیا جب ان جزئیات پر خوب علم حاصل ہو گیا تو پھر زبانوں کی تقسیم و تنوع اس طرح کی
کہ جن زبانوں کی گرامروں میں توافق تھا ان کو ہم نسل قرار دیا یعنی انکو یہ مانا کہ وہ کسی ایک زبان کے
پیٹ سے پیدا ہوئی ہیں زبانوں کی تقسیم باعتبار صرف و نحو کے ہوتی ہے - اصل زبان وہ خالص زبان
سمجھی جاتی ہے جسمیں دوسری زبان کی آمیزش نہ ہو - ان زبانوں کی نسلوں کی اولاد دو طرح کی
قرار دی ایک زندہ دوسری مُردہ تفصیل ان کی تقسیم کی یہ ہے کہ زبانوں کی ایک نسل آرین ہے جس کی
زندہ اولاد ہندوستان کی کل زبانیں فارسی - افغانستانی - کُردستانی - آرمینی - انگریزی -
فرانسیسی - رومی - یونانی - روسی - جرمنی - مردہ اولاد یہ ہے پراکرت - پالی - زمانہ حال کی سنسکرت
وید کے زمانہ کی سنسکرت - قدیم فارسی - پہلوی - ژند دوسری نسل سمیٹک ہے جسکی زندہ اولاد یہ
ہیں - ملک عرب کی کل زبانیں - یہودیوں کی زبان - مردہ اولاد عہد عتیق کی عبرانی - کالدی -
شامی - بابلی وغیرہ تیسری نسل تورانی ہے جسکی زندہ اولاد چاپو گوری - ساتی بیری - دہنیکی
آذربائیجانی - کرہیمیائی - اے تولی - رومیلی - یانیسی - مُردہ اولاد قالموقی -

پہلے محققین کی رائے یہ تھی کہ آریا نسل کی ماں سنسکرت ہے مگر اب یہ رائے بدل گئی وہ بیچاری ماں سے
ہمشیرہ کلاں آریا زبانوں کی کہلاتی ہے -

پس یوں زبان کے لئے وہ تینوں مراتب طے ہو گئے جو ہر سائنس کے لئے ہونے ضرور ہیں یعنی اول جزئیات
کا اجتماع دوم جزئیات کی تقسیم و تنوع اجناس میں سوم استقراء سے احکامات کلیہ -

(۹) تاریخ سے زبان کے تعلقات -

کسی ملک کی تاریخ پر علم ہوتا ہے تو اسکی زبان کی نسبت یہ امور تحقیق ہو سکتے ہیں کہ ایک قوم کی
زبان کا دوسری قوم کی زبان سے اختلاط کیونکر ہوا - اور یہ اختلاط کا زمانہ کب تھا - اور کتنے د
رہا - پھر اس اختلاط کا سبب تجارت تھی - یا لڑائی تھی - ان دونوں قوموں کے تمدن اور تہذیب کی
کیفیت کیا تھی - کون محکوم تھی کون حاکم - انمیں سے کسنے قوانین - آئین - مذہب - صنائع بد

کس نے زیادہ قومی معلم - شاعر - عام پسند کامیاب فصحا بلغا پیدا کئے - ایک قوم دوسری قوم سے ایسی علیحدہ نہیں رہتی کہ ایک کی زبان میں دوسرے کی زبان کے الفاظ مخلوط نہ ہوں بعض حملوں میں ایسی واقع ہوئی ہیں کہ غیر زبانوں کے الفاظ اصلی زبان میں اس کثرت سے مخلوط ہوتے ہیں کہ انکی تعداد اصلی زبان کے لغات سے زیادہ ہوجاتی ہے مثلاً ترکی جو زبان بولی جاتی ہے اسمیں - فارسی عربی لغات کی وہ کثرت ہے کہ تورانی لغات پر غلبہ ہے مگر اسکی صرف و نحو وہی تاتاری اصلی زبان کی صرف و نحو ہے -

اس ترکی زبان میں عربی فارسی لغات کا ملاؤ - مذہبی علمی - ملکی کاموں کے سبب سے ہوا ہے اہل عرب کو ایران پر مذہبی اور جنگی فتح حاصل ہوئی تھی مگر اہل ایران کو اہل عرب پر تہذیب کی فتح حاصل ہوئی گو عرب کا محکوم ایران ہوگیا تھا اور اسی کا مذہب اختیار کرلیا تھا مگر اس کے بہت لغات عربی زبان میں داخل ہوگئے تھے - ساسانیوں کے عہد میں ایران کی تہذیب بہت بڑھ گئی تھی کہ اسکا اثر اہل عرب پر بھی ہوا تھا عرب کی سیف و ایران کی قلم نے ملکر اسلام کا علم بلند کیا تھا ترکستان میں اسلام ایران میں ہوکر گیا تھا اسلئے ترکوں کی زبان میں عربی فارسی دونوں زبان کے الفاظ نے عمل دخل کیا عربی الفاظ اور محاورے ایرانی لباس پہن کر ترکی زبان میں داخل ہوئے - مذہب کی جگہہ دین - کافر کی جگہہ گبر صوم کی جگہہ روزہ صلواۃ کی جگہہ نماز بولے گئے الفاظ کا اس طرح داخل ہونا تاریخ تہذیب میں سکوں اور کتابوں سے زیادہ اثر رکھتا ہے -

تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی وحشی قوم کی زبان کیونکر مہذب ہوئی ہے زبانی یا تحریری نظم سے یا نثر سے یا شاعروں کے کلام کی تدوین سے یا علماء دین کی تلقین سے یا مقرروں کی تقریر سے یا قدیمی زبان کی تاثیر سے +

(١٠) زبانوں کا متحد الاصل ہونا -

گویائی انسان کے بجا خود ایک دنیا ہے - جیسے زمین پر سیکڑوں قومیں اور قوموں میں ہزاروں قبائل و خاندان اور خاندانوں میں کروڑوں آدمی ہوتے ہیں ایسی ہی گویائی کی دنیا میں سیکڑوں زبانیں (جنکی تعداد قریب نو سو کے معلوم ہوئی ہے) اور ہر زبان میں ہزاروں محاورے اور پھر محاروں میں لاکھوں لغات ہیں بعض قومیں ایک دوسرے سے بالکل متغائر ہیں بعض قومیں

صورت شکل شباہت مین قرابت رکھتے ہین ایسی ہی زبانونکے بعض گروہ ایک دوسرے سے متبائن اور بعض گروہ کے گروہ ایسی پائے جائینگے کہ جو ایک اصل کی فرع یا ایک باپ کی نسل معلوم ہونگی بعض علمائے محققین نے اس امر کو ثابت کرنے میں ازحد کوشش بلیغ کی ہے کہ جیسے دنیا کے کل باشندے ایک ہی آدم کی اولاد میں ہین ایسی ہی کل زبانیں جو دنیا میں بولی جاتی ہیں وہ ایک اصل کی فروع ہیں مگر وہ اس کوشش مین کامیاب نہیں ہوئے۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ انسان کے جو فرقے ہم نسل ہوں وہ ہم زبان بھی ہوں۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی نسل کی قومیں مختلف زبانیں بولتی ہیں اور ایک نسل کی قوم اپنے سے غیر نسل کی قوم کی زبان بولتی ہے۔ غرض انسانوں کے انساب کے ساتھ اسکی زبانوں کے انساب کو رشتہ کسندی نہیں ہے۔

(۱۱) کل زبانوں کے اصل ہونے کے لئے عہد عتیق کی شہادت پیش کی جاتی ہے کہ اسمیں لکھا ہے خداوند تعالی نے میدان کے ہر ایک جانور اور آسمان کے پرندونکو زمین سے بنا کر آدم پاس پہنچایا کہ دیکھے کہ وہ انکے نام رکھے سو جو آدم نے ہر ایک جانور کو کہا وہی اسکا نام ٹھہرا اور آدم نے سب مواشیوں اور آسمانوں کے پرندونکا نام رکھا۔ بعض محققین کے نزدیک کل زبانوں کے متحد الاصل ہونے کی یہ بڑی شہادت ہے مگر تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ امر عہد عتیق کی آیات مذکورہ کے خلاف نہیں ہے کہ انسانوں کی زبانوں کا آغاز مختلف طرح سے ہوا ہو۔ گو یہودیوں کو یہ اعتقاد رہا ہے اور ازمنہ رہا کہ کل دنیا کی زبان ایک ہی تھی۔ مگر بڑے بڑے علمائے مذہبی نے زبان کی تحقیقات مین بال کی کھال نکال کر یہ ثابت کیا ہے کہ امریکہ کی زبانوں کا آغاز زمانہ حال میں ہوا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کل زبانوں کا سلسلہ سب ایک اصل زبان تک پہنچتا ہے تو بھی اسکی مطابقت عہد عتیق کی آیات سے نہیں ہوتی ان آیات سے وہ تعلقات معلوم ہوتے ہیں جو خدا و انسان و زبان کے درمیان ہیں خدا تعالی نے آدم کو قوت گویائی عطا فرمائی نہ گویائی کہ کوئی ڈکشنری و گرامر اوس کو اچھی طرح پڑھائی ہو زیادہ تر عہد عتیق میں انسان کے انساب کا ذکر ہے زبانوں کے انساب کا بیان نہیں قومیں اپنا نام نہیں بدلتیں مگر اپنی زبانیں بدل ڈالتی ہیں یہ ناممکن ہے کہ عہد عتیق میں جو انسان کا سلسلہ انساب ہے وہ زبانوں کے سلسلہ انساب سے مطابق ہو۔ زبانوں میں لغات سے اشتقاق کے طریقے اور صرف و نحو ایسی آپس میں متخالف و متضاد ہیں کہ کبھی ممکن نہیں کہ سب زبانوں کا ماخذ ایک زبان ہو۔ مثلاً عربی فارسی ممکن نہیں کہ دونو متحد الاصل ہوں یعنی کسی ایک زبان سے دونو

پیدا ہوئی ہوں عربی میں ایک مادے سے صیغوں کا اشتقاق اور طرح سے ہوتا ہے فارسی میں اور
طرح سے عربی زبانیں ایک مادہ سے اسکے اندر کچھ اعراب بدلنے سے حروف کے بڑھانے سے بہت
سے معانی مختلف معروف مجہول متعدی لازمی - ماضی مضارع - ظرف آلہ وغیرہ بنا لیتے ہیں
فارسی زبان میں ورغیر الفاظ اول اور آخر میں لگانے سے مختلف معانی پیدا ہوتے ہیں مثلاً
عربی میں ماضی معروف فَعَلَ سے ماضی مجہول اعراب بدلنے سے فُعِلَ ہوجائیگا اور فارسی زبان میں
ماضی معروف کردے سے ماضی مجہول کردہ شدنے کا غرض ہمنے جو اوپر زبانوں کی تقسیم آرین
سیمیٹک و تورانی لکھی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کون کونسی زبانیں اسے متعلق ہیں انکے لغات کے مادے
اور گرامریں ایسی مختلف ہیں کہ ان زبانوں کا متحد الاصل ہونا ناممکن ہے وہ کبھی ایک اصل کی فرع
اور ایک باپ کی نسل نہیں ہوسکتیں +

(۳) جن زبانوں میں توافق دیکھتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی اصل کی فرع یا
ایک ہی باپ کی اولاد ہیں تو ان زبانوں کے الفاظ کا وہ گروہ لیتے ہیں جنکے معانی میں ایک امر
مشترک پایا جاتا ہے اور کتنے ایک حروف یکسانی کے ساتھ مشترک پائے جاتے ہیں تو ان سب
لغات کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اصل احد کی فروع ہیں اور اس اصل کو مادہ یا جوہر لغات کہتے ہیں
پس جب ان زبانوں کے لغات کے مادے معلوم ہوجاتے ہیں تو پھر ان زبانوں کی گرامروں کو
دیکھتے ہیں کہ ان مادوں سے مختلف صیغوں کے قواعد باہم متحد ہیں یا نہیں اگر اتحاد ہوتا ہے تو
پھر یقین ہوتا ہے کہ زبانیں ایک ہی اصل کی فروع ہیں اس اصول تحقیق کے موافق سنسکرت
یونانی (گریک) - ژند - لیٹن وغیرہ زبانوں کو ایک اصل کی فروع ثابت کرکے اسکا نام آرین
زبان رکھا ہے - ان میں لغات کے مادے اور صیغوں کی گردانیں اور اول اور آخر کلمات بڑھانے کے
قواعد متحد ہیں دو زبانوں کے دس پانچ لفظوں کا اتفاق انکے متحد ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی
لغات کے جو اصل مادے ہیں وہ عنصروں کی طرح تحلیل نہیں ہوسکتے - کوئی زبان ایسی نہیں
کہ جسمیں یہ نرے مادے ہی استعمال ہوتے ہوں اور انکے مشتقات نہ مستعمل ہوتے ہوں بعض
مادے ایسے تو ہوتے ہیں کہ وہ خود نہیں مستعمل ہوتے ہیں جیسے کہ سنسکرت میں ایک مادہ دا ہے
جسکے معنی دینے کے ہیں وہ خود تو نہیں مستعمل ہوتا مگر اسکے مشتقات استعمال میں آتے ہیں —

یوں لغات کے مادوں اور جو ہروں سے اور صیغوں کا مشتق کرنا انسان ہی کی زبان کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ انسان ہی کا کام ہے اور کوئی حیوان نہیں کرسکتا +

فصل سوم زبان کی اصل

(۱) زبان کی تحقیقات +

زبان کی تحقیقات کی جتنی راہیں ہیں اُسکی ابتدائی حصوں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ وہ نظر تو کیا آئیں گی بلکہ تصویریں بھی نہیں آتیں ہم انتہا کی جانب سے اُلٹے ابتدا کی طرف کچھ منزلیں طے کرکے جہاں پہنچے ہیں وہاں سے آگے ایک قعر ناپید اکنار ہمارے اور مبدء زبان کے درمیان ایسا حائل ہوتا ہے کہ کسی طرح مبدء زبان تک رسائی نہیں ہونے دیتا۔ ایسی تاریکی میں لا ڈالتا ہے کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا پس اسلئے ناممکن ہے کہ کسی زبان کے کل منازل ابتدا سے طے کرکے اسکی حالت موجودہ پر آپہونچیں اور از ابتدا تا انتہا تحقیق کرکے اسکا حال بتائیں مگر فطرت انسانی کے اصول جو ہم کو معلوم ہیں اُنکے موافق ہم اتنا بتلا سکتے ہیں کہ زبان کی مختلف کیفیتیں بتدریج کسطرح پیدا ہوئی ہیں جس سے دل کو کسی قدر اطمینان ہوجاتا ہے اور اُس پیچ فلسفہ سے نجات ملجاتی ہے جو علم اخلاق اور علوم طبعیا میں جن مظاہرات کو بیان نہیں کرسکتا اونکو معجزات سے منسوب کرتا ہے اور بے اسر و پا افسانے بناتا ہے۔ مادیات اور انسانیت کے مظاہرات کی تحقیقات کا اصول یہ ہے کہ اگر ہم ان تمام مراحل اشیا کو جنسے کہ کوئی واقعہ پیش آیا ہے نہیں بیان کرسکتے تو پھر اسکا ثابت کرنا کہ وہ اسباب فطرت اور افعال قدرت سے پیدا ہوا ہے علم تاریخ کے امتحان میں نہایت بکار آمد سود مند و ضروری ہے۔

(۲) زبان کی تحقیقات کا تاریخی حال۔

ظاہر ہے کہ تاریخ کا آغاز تو جب ہوا ہے کہ اس سے قرنوں اور مدتوں پہلے انسان زبان پر قادر ہو چکا تھا اسلئے زبان کی اصل کی تحقیقات کا سامان تاریخانہ میسر نہیں ہوسکتا یعنی ایک واقعہ نفس الامری کو بقید زمان و مکان نہیں بیان کرسکتے یعنی یہ نہیں بتلا سکتے کہ کس مقام پر کس وقت پیش آیا۔ اس معاملہ میں تو زبانی روایات و حکایات و احادیث خاموش ہیں کہ انسان کیونکر تکلم الفاظ اور خیالات پر قادر ہوا۔ یہ ایک عجیب معما ہے کہ حواس سے جن اشیا کا ادراک ہوا اور آنکھوں میں جو تصویریں بنیں وہ آوازوں میں متحول ہوکر مظہر سحر کہنا لا ہوں۔ اسمیں کیسی غیر متجانس چیزوں کا اتحاد ہوتا ہے کہ

رنگ بدل کر آواز بنے اور آواز بدل کر خیال ہو جائے۔ اس معمّی کا حل کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے۔ ورنہ اس سے زیادہ کیا دلچسپ مضمون ہو سکتا ہے کہ تاریخوں اور نوشتوں سے یہ معلوم ہو جاتا کہ اول آدمی نے جو الفاظ تلفظ کئے (یعنی جو ہونٹوں سے نکلتے ہیں) کس طرح ہونٹوں کے عمل سے نکالے ہونگے جسکے سبب سے ہمکو اس کشمکش سے ہمیشہ کے لئے نجات ملتی ہے کہ جو انسان کی زبان کی نسبت مسائل نظری گھڑے گئے ہیں

(۳) وضع زبان کی نسبت خیالات +

علماء دین جو یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل زبان خدا تعالیٰ نے بنائی ہے وہ جسم انسانی میں خدا تعالیٰ کی ذات کے حلول کے اندیشناک بھاؤ میں کیا بھنور میں پڑتے ہیں اونکو بتفصیل یہ بیان کرنا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ڈکشنری اور گرامر لغات صرف و نحو تصنیف کر کے اول آدم کو اس طرح زبان کو سکھایا جیسے کہ مکتب میں گونگوں بہروں کو اوستاد سکھاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر ان کے مقدمات مان لئے جائیں تو سوا اسکے کوئی اور نتیجہ نہیں نکلتا کہ آدم سے پہلے زبان موجود تھی جو اسکو سکھائی گئی مگر اس سے یہ عقدہ مشکل تو حل نہیں ہوا کہ وہ زبان کس طرح بنی تھی۔ یہ عقدہ ایسا مشکل ہے کہ کبھی انسان سے حل ہوا ہے نہ ہوگا۔ بہت سے حکمار کا یہ خیال ہے کہ زبان کو انسان نے وضع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان پہلے پہل کچھ مدت تک خاموشی کی حالت میں رہا اور اعضا کی حرکات اور چہروں کی مختلف ہیئتوں کے بنانے سے اپنے خیالات ایک دوسرے تک پہنچاتا رہا۔ جب ذہن میں تصورات کی افزائش ہوئی اور اونکے اظہار کے لئے اعضا و چہرہ کی حرکات کافی نہ ہوئیں تو مجبوراً اپنے تصورات کے اظہار کے لئے مصنوعی علامات وضع کیں اور باہم متفق ہو کر اسکے معنی وضع کیئے مگر یہ حکما جو ایسا خیال کرتے ہیں کہ اول آدمی تنہا تنہا اور وہ خاموشی کی حالت سے اسطرح نکلا کہ جو تصورات اسکے ذہن میں آئے اُن کے لئے الفاظ وضع کئے۔ یہ بھول جاتے ہیں کہ انسان اپنے آپ نطق نہیں پیدا کر سکتا جو ایک ایسی قوت ہے کہ وہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے نہ وہ اور حیوانات کو کبھی حاصل ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ اگر حکما یہ کہیں کہ بچے بے زبان پیدا ہوتے ہیں اور پھر بتدریج بے زبانی کی حالت سے نکل کر زبان دار ہو جاتے ہیں تو اونکا یہ کہنا ہمارے مقصود سے کچھ تعلق ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ یہ تحقیق کریں کہ بچے اپنی قابلیتوں کو جو اونکے جسم و روح میں موجود ہیں کس طرح استعمال میں لا سکتے ہیں بلکہ ہمارا اصل مطلب یہ ہے کہ

ہم یہ تحقیق کریں کہ اصل ناطقہ کیا ہی اس مطلب کے لئے ضرور نہیں کہ ہم یہ دریافت کریں کہ بچے اپنی توتلی پوتلی زبان کیونکر بولتے ہیں جب ہم جانوروں میں پر لگے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ وہ کیونکر اڑتے ہیں اڑنے کا سامان ان پاس موجود نظر آتا ہے۔

(۴) زبان طبعی دریافت کرنے کے تجربے +

بعض بادشاہوں نے اس امر کا تجربہ کیا ہے کہ بچوں کی طبعی زبان کیا ہی۔ اکبر شہنشاہ ہند نے ایک گنگ محل بنوایا۔ اس میں بچے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی بھیجے گئے۔ دائیوں کو حکم ہوا کہ وہ دودھ پلائیں مگر کوئی لفظ انکے سامنے نہ بولیں۔ جب یہ بچے پانچ پانچ سات سات برس کے ہوئے تو بادشاہ کے روبرو بلائے گئے تو سوا غائیں شائیں کے وہ کچھ اور نہیں بولتے تھے۔ اسی قسم کا تجربہ بادشاہ مصر نے کیا تھا کہ ایک گڈریہ کو نئے پیدا ہوئے بچے حوالہ کئے اور حکم دیا کہ وہ ایک بھیڑ کا دودھ دیا کریں اور کوئی لفظ ان کے کان تک نہ پہونچنے پائے۔ جب بچے بڑے ہوئے تو سوا بھیڑ کے بولی کے کچھ اور نہ بول سکتے۔ بعض بادشاہوں نے بچوں کو گونگی دائیوں کو حوالہ کیا اور کوئی لفظ سننے نہ دیا کہ جس سے معلوم ہو کہ انسان کی ابتدائی زبان یا طبعی زبان کیا ہے۔ ان تجربوں نے ہمارے سوال کے حل کرنے میں کوئی تائید نہیں کی۔ بچے جو بولتے ہیں وہ کوئی زبان نہیں ایجاد کرتے۔ ان کے واسطے پہلے ایک زبان بنی بنائی موجود ہوتی ہے وہ پہلی زبان کو سیکھنے میں اسی طرح سیکھتے ہیں جیسے کہ بڑے ہونے پر دوسری زبان۔ یہ تحقیق کرنا بے فائدہ ہے کہ جب بچے تنہا چھوڑ دئے جائیں تو وہ کوئی زبان نئی ایجاد کریں گے۔ یہ امر انکے لئے خلاف فطرت خلاف عقل ہے۔ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر ایک انگریز کا بچہ تن تنہا چھوڑ دیا جائے تو ناممکن ہے کہ اوسکو انگریزی بولنی آجائے۔ تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں کہ کوئی زبان یوں ایجاد ہوئی ہو +

(۵) انسان و حیوان +

اگر پرندوں کے اڑنے کی قوت جو اوسکی ذات کے ساتھ مخصوص ہے کما حقہ ہم تحقیق کرنی چاہیں تو ہم کو دو باتیں دریافت کرنی چاہئیں۔ اول یہ کہ بناوٹ کا مقابلہ ان حیوانات کی بناوٹ سے کریں جن میں یہ قوت اڑنے کی نہیں ہے۔

دوم وہ شرائط دریافت کریں جنکے مطابق یہ اڑنے کا فعل سرزد ہونا ممکن ہو پس یہی صورت انسان کے نطق کی نسبت ہے کہ جو انسان کی ذات کے ساتھہ مخصوص ہے۔ اور خاص اسی کے سبب سے وہ اور مخلوق میں ممیز ہوتا ہے پس اگر ہم نطق انسانی کی نسبت تحقیق کے درپے ہوں تو ہمکو اول آدمی کا مقابلہ ان حیوانوں سے کرنا چاہیے کہ جو اسکے حیوانات میں نہایت قربت رکھتے ہیں اور اس مقابلہ میں یہ دیکھنا چاہیے کہ انسان اور حیوانوں میں کن باتوں میں اشتراک ہے اور کونسی ایسی باتیں ہیں کہ وہ صرف انسان ہی کی ذات سے مخصوص ہیں جب یہ دو امر تحقیق ہو جائیں تو ان شرائط کا دریافت کرنا چاہیے کہ جنکے سبب سے نطق ممکن ہوا پس ان کاموں کے بعد ہم اپنا کام جتنا کر سکتے ہیں وہ پورا ہو جائیگا۔ مگر اسکے ساتھ یہ خیال رہے کہ ہمارے علمی آلات خواہ کیسے ہی عجیب غریب ہوں۔ مگر جن مقامات میں ہم خیالات کے پر لگا کر اڑنا چاہتے ہیں انکے واسطے نہایت ضعیف ہیں۔

جب ہم انسان اور حیوانات سے مقابلہ کرتے ہیں تو یہ تحقیق ہوتا ہے کہ بعض حیوانوں میں جسمانی قابلیت تلفظ کی ایسی ہی ہے جیسے کہ آدمی میں کوئی حرف ایسا نہیں کہ جسکا تلفظ آدمی کر سکتا اور طوطا مینا نہ کر سکتے ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ طوطا مینا کوئی نطق اپنا نہیں رکھتی یہ ضرور ہوا کہ ہم یہ بتلائیں کہ انسان میں جو قوائے عقلیہ ہیں وہ طوطی مینا میں نہیں ہیں اسکا بیان نیچے کرتے ہیں +

اول حیوان دیکھتے۔ سنتے۔ چکھتے۔ سونگھتے۔ چھوتے ہیں یعنی حواس خمسہ رکھتے ہیں اس باب میں حیوان اور انسان درجہ مساوات رکھتے ہیں +

دوم حیوان خوشی و رنج کا ادراک کرتے ہیں جب کسی کو ہم مار دیا پیار کرو۔ تو اسکا حال ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ آدمی کے بچہ کا مارنے اور پیار کرنے سے ہوتا ہے۔ ان دونوں میں خوشی و رنج کی علامتیں ایک سی ہی پائی جاتی ہیں +

سوم حیوان بھولتے نہیں جسکو حکما کہتے ہیں کہ قوت حافظہ رکھتے ہیں وہ اپنے آقا کو اپنے گھر کو بھولتے نہیں جو آدمی پیار کرتے تھے اسکو دیکھکر وہ پہچان جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں

چہارم حیوانوں میں قوت مقابلہ و تمیز ہے۔ ایک طوطا جب درخت میں سے ایک اخروٹ

توڑے گا اور وہ ہلکا ہوگا تو اُسے چونچ لگاکے پھینک دیگا - وہ جانتا ہے کہ اسمیں گری نہیں ہے اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو بن گری کے اخروٹ کا مقابلہ گری دار اخروٹ سے کرنا آتا ہے اور وہ منطق کی شکل اول پر عمل کرتا ہے کہ کل اخروٹ بن گری کے ہلکے ہوتے ہیں اور یہ اخروٹ ہلکا ہے اسلئے بن گری کا ہے اُسپر چونچ مارنا بیفائدہ ہے - یہاں دیکھو کلیت کبریٰ - ایجاب صغرٰے تکرار حد اوسط سب شرائط موجود ہیں +

پنجم حیوانات اپنا ارادہ رکھتے ہیں جو گھوڑے پر چڑھا ہوگا وہ اس بات کو خوب سمجھا ہوگا

ششم حیوانات شرم وغرور کی علامات دکھلاتے ہیں یہ دو نو باتیں وہ شکاری خوب سمجھتے ہیں جو کتوں سے شکار کھیلا کرتے ہیں کہ جب کتا شکار مار کر شکاری کے روبرو لاتا ہے تو کیسی اپنی آنکھیں چمکاتا ہے اور جب شکار نہیں ہاتھ آتا ہے تو شکاری کے پکارنے پر کیسی دم دباکر اپنے تئیں دبکاتا ہے -

ہفتم حیوانات میں محبت وعداوت ہوتی ہے - بہت سے کتے اپنے آقاؤں کے دفن ہیں انکی قبروں تک ساتھ گئے ہیں اور انکے مرنے کے بعد پھر کسی کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھایا - اور اسی رنج ومفارقت میں بھوکے پیاسے مرگئے - بعض جانور جو اُن آدمیوں سے کہ انکو ستاتے ہیں مدتوں کے بعد اپنا انتقام لیتے ہیں +

پس ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیوانوں میں قوت احساس ادراک - حافظہ ارادہ عقل ہے - مگر عقل کا لفظ گو انسان اور حیوان دونوں کے لئے بولا جاتا ہے - مگر عقل انسانی اور ہے اور عقل حیوانی اور ہے عقل انسانی میں عقل حیوانی داخل ہے - بچہ جو اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے اہنیں اعصاب کو کام میں لاتا ہے جنکا چوسنے کے لئے کام میں لانا چاہئے - اسی عقل حیوانی کا کام ہے جو مکڑی اپنے جالا تننے میں علم مکینک کو اور مکھی اپنے چھتہ بنانے میں علم ہندسہ کو کام میں لاتی ہے - انسان ان دونو کاموں کو بغیر علم مکینک اور علم ہندسہ جانے کے نہیں کرسکتا +

(۶) انسان اور حیوان میں فرق +

اب سوال یہ ہے کہ انسان اور حیوان میں فرق کس بات میں ہے - انسان میں وہ کیا شے ہے

جسکی ابتدائی حالت ونشانی حیوان نہ دیکھی جاتی ہو۔ تو اسکا جواب بے تامل یہ زبان نکلتا ہے
کہ انسان اور حیوان میں بڑا فرق یہی ہے کہ انسان نطق رکھتا ہے اور حیوان میں نطق نہیں
ہے حیوان کسی طرح نطق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہی ایک امر حق ان حکما کی دلائل کو
باطل کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انسان کے کل قوائے کے مبادی حیوان میں موجود ہیں یہ
بخت واتفاق ہے کہ حیوانوں پر انسان اول فتحمند ہو گیا ہے +

اگر نطق کا فقط یہی کام ہوتا کہ ہمارے تصور کو دوسرے آدمیوں تک پہونچا دیتا تو اسے حیوانوں
پر شرف ایسا کیا حاصل ہوتا جن باتوں انسان کی ایڑی سے لگا ہوتا اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا
کہ حیوان گو کلمات نہیں بولتے مگر پھر بھی انہیں آپس میں کچھ باتیں ہوتی ہیں جب ایک بیل کو
باہر تو انکے کل غول میں خوا ایک وسعت عظیم میں پھیلا ہوا ہو تا ہے خبر ہو جاتی ہے کہ دشمن سر پر
کھڑا ہے۔ ایک کیڑا الو رکن ہوتا ہے جب اسکو مردار چھچھوندر مل جاتی ہے تو وہ اپنے چار ساتھیوں
کو خبر کر دیتا ہے اور اونکے ساتھ ملا کھاتا ہے۔ کتے گو بولنا نہیں جانتے مگر بہت سے کلمات کو وہ
سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے نام کو اور آقاؤں کے بلانے کو فوراً سمجھ جاتے ہیں طوطے آدمی کی بولی
بولتے ہیں۔ اگر زبان کو فقط خارجی علامات مانیں اور ذریعہ اپنے مافی الضمیر کا اوروں تک
پہونچانے کا جانیں تو انسان کا شرف اور حیوانات پر باعتبار نطق کے چنداں نہیں رہتا۔ مگر جب
نطق کے ساتھ قوائے عقلیہ کا ضمیمہ لگایا جائے تو وہ حیوان سے اشرف اور ممتاز ہوتا ہے۔ یہ عقل
انسانی کا کام ہے کہ وہ جزئیات سے کلیات کو ادراک کرتی ہے عقل حیوانی یہ کام نہیں کر سکتی۔ اور
اس ادراک کلیات کا اظہار نطق ہی سے ہوتا ہے جب انسان اور حیوان کے درمیان نطق ایک
ظاہری تمیز ہو تو نطق کو یہ کہنا چاہیے کہ وہ ایک خارجی نشانی اور باطنی قوت تجریدی کی یا انتزاع
کی ہے جسکا دوسرا مروج نام عقل ہے +

(۷) نطق وعقل لازم ملزوم ہیں یعنی نطق بغیر عقل کے اور عقل بغیر نطق کے نہیں ہو سکتا

عقل اور نطق کے باب میں حکما محققین کے تین مذہب ہیں ایک یہ کہتے ہیں کہ عقل ونطق ایک ہی چیز
ہیں حیوان ناطق کہنا یا حیوان عاقل کہنا ایک ہی بات ہے عقل نفس ناطقہ ہی کا نام ہے ایک ہی

سننے کے یہ دونام رکھنے ہی عبث ہیں اور بیفائدہ بات کا بڑہانا ہے دوسرے یہ کہتے ہیں کہ نطق وعقل لازم وملزوم ہیں یعنی نطق بغیر عقل کے اور عقل بغیر نطق کے نہیں پائی جاتی تیسرے یہ کہتے ہیں کہ نطق وعقل لازم ملزوم نہیں اگر یہ ہوتا تو گونگے بہرے جنکو نطق نہیں ہوتا عاقل نہیں ہوتے۔ حالانکہ ہم انکو عاقل دیکھتے ہیں مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے۔ جن بہرے گونگوں کو تعلیم نہیں ہوئی وہ دلیل استدلال سے کہ نامعلوم کو معلوم کرنا ہے نہیں لاسکتے وہ اس سبب سے کہ عاقلونکی صحبت میں رہتے ہیں کچھہ نشانیاں عاقل ہونیکی دکہاتے ہیں انکے ذہن میں کلی خیالات پیدا ہوتے ہیں جنکو الفاظ میں بیان کرنیکی قدرت وہ نہیں رکھتے مگر اس سے کچھہ ہمارے مطلب پر اعتراض نہیں وارد ہوتا اسلئے کہ ان گونگے بہرونکو معلوم ہوتے ہیں جو اپنے خیالات عامہ کو آواز کی اندر الفاظ کی صورتمیں بیان کرنیکی قدرت رکھتے ہیں اسطرح یہ بہرے گونگے اور ونکے خیالات عامہ سیکھتے ہیں مگر الفاظ سے نہیں بلکہ اور علامات ونشانیوں سے یہ نشانیاں انکی آنکھوں میں وہی کام کرتی ہیں جو آواز ہمارے کان میں کرتی ہے۔ یہ نشانیاں نہ اشیا خود ہوتی ہیں نہ وہ تصورات ہوتے ہیں جنکی علامات الفاظ ہوتے ہیں بلکہ نشانیوں کی نشانیاں ہوتی ہیں جیسے کہ خط ہوتا ہے کہ وہ ہمارے خیالات کی نشانیوں یعنی الفاظ کی نشانی ہوتا ہے یعنی خیالات کی نشانی کی نشانی

اکثر آدمی ایسے ہوتے ہیں گو کل نہیں کہ وہ اپنے ذہن کے اندر خیال واستدلال میں الفاظ کو کام میں لاتے ہیں یعنی دل ہی دل میں باتیں الفاظ میں کیا کرتے ہیں جب ہماری مفہومات الفاظ کے اندر ہمارے ذہن کے اندر آگئے تو اب سوال یہ ہے کہ یہ ممکن ہے یا نہیں کہ ہم الفاظ کو بغیر مدلول کے اور مدلول کو بغیر الفاظ کے کام میں لائیں یہ ناممکن ہے کہ الفاظ کو بغیر خیال کے استعمال کریں اور خیال کو بغیر الفاظ کے۔ یہ اور بات ہے کہ جو الفاظ بولیں وہ ہمارے خیال کو صحیح صحیح نہ بیان کریں اور ہم الفاظ بے معانی بولیں۔ یہ بولنا ایک صوت بے معنی کا نکالنا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم بغیر گویائی کے دیکھیں تصور کریں خواب دیکھیں مگر بغیر الفاظ کے ایک بھی خیال ایسا سیدھا سادہ نہیں کرسکتے جیسے کہ سیاہی وسفیدی کا۔ اگر استدلال کے معنی یہ لئے جائیں کہ ہم عقل کے موافق دلیل کریں تو اسمیں شبہ نہیں کہ ناتعلیم یافتہ گونگے۔ بہرے۔ بچے حیوان استدلال نہیں کرسکتے۔ ایک بچہ بولنے سے پہلے مٹھی وکڑوی چیز میں تمیز کرنے لگتا ہے

یعنی وہ یہ جانتا ہے کہ میٹھی چیز کڑوی نہیں ہوتی اور جب وہ اور بڑا ہوتا ہے اور اوسکو بولنا آجاتا ہے تو وہ یہ جانتا ہے کہ دودہ اور اُسکے اندر جو مٹھائی ہے وہ ایک چیز نہیں ہے۔ وہ مٹھاس کا مزہ لیتا ہے۔ اسے خوش ہوتا ہے۔ اوسکو دوبارہ مانگتا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ مٹھاس کیا چیز ہے۔ اسپر وہ کچھہ استدلال نہیں کرسکتا۔ ایک بچہ یہ جانتا ہے کہ ایک غیر آدمی میری ماں نہیں میرے دودہ پینے کی بوتل مارنے کی لکڑی نہیں مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ ایک ہی وقت میں ایک چیز کا ہونا اور نہ ہونا ناممکن ہے خلاصہ اوپر کی دفعہ کا یہ ہے کہ نطق وعقل لازم ملزوم ہیں۔ مگر اس سارے مباحثے کو ہم یہاں لکھنا مناسب نہیں جانتے ؎

(۹) اب اس تحقیق کے درپے ہوتے ہیں کہ انسان کی گویائی کے جو تخم ہیں جنسے کہ لغات کے مادے پیدا ہوتے ہیں وہ انسان کے ذہن میں کس صورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سوال کے حل کرنے کے لئے یہ دو مسائل نظری پیش کئے جاتے ہیں اول یہ کہ حیوانات کی آوازوں اور قدرتی اصوات کی نقل اتارنے سے انسان کے ذہن میں الفاظ کے مادے پیدا ہوئے ہیں دوم اصوات طبیعی سے۔ اٹھارہویں صدی میں مسئلہ اول کی طرف حکمار کا بڑا رجحان تھا اور اب بھی وہ بعض حکمار اکابر کا منظور نظر ہے۔ اب ہم اسکا امتحان تحقیق کے ساتھہ کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں یہ بات مان لی گئی ہے کہ انسان خاموش تھا۔ اسنے پرندوں۔ کتوں۔ گائیوں کی آوازوں کو۔ بادل کی گرجوں سمندر کے غل شوروں جنگل کی سائیں سائیں ندیوں کے پانیوں کی دہل دہلوں کو اور اسی قبیل کی اور چیزوں کی اصوات کو سُنا اور ان آوازوں کی نقل اُتاری اور انسے اسکی سمجھہ میں وہ چیزیں آنے لگیں جنسے وہ آوازیں نکلتی تھیں پس اس ترکیب سے اپنی زبان بنالی۔ مثلاً اسنے بکری کو دیکھا کہ اسپر بال سفید و نرم ہیں اور وہ میں میں کرتی ہے۔ باصرہ۔ لامسہ۔ سامعہ نے جو نقش اسکے ذہن میں جمائے۔ ان سب میں سامعہ کا نقش غالب تھا اور وہ بکری کی ایسی صفت ظاہر کرتا تھا جو اسی کی ذات کے ساتھہ مخصوص تھی پس اسلئے اُسنے بکری کا نام میں میں رکھہ لیا۔ اور فقط لفظ میں میں کو سنکر وہ بکری سمجھنے لگا۔ اسی طرح کبوتر کا نام غٹر غوں رکھہ لیا۔ ایسے ہی یہ الفاظ وضع کرلئے جیسے کہ کھٹکا۔ پٹاخہ۔ غٹر غرہ۔ قہقہہ۔ قرقرہ قلقل غلغل وغیرہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کے جمع ہونے سے

کیا ہماری زبان بن سکتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ہر زبان مین اس قسم کی اسم بہت ہی تھوڑے ہیں کہ وہ جانوروں کی آوازوں اور قدرتی اصوات سے بنائی گئی ہوں اگر وہ سب جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹی سی فرہنگ تب ہو۔ ایسے الفاظ زبان کے کھلونے ہیں آلات نہیں ہیں کہ وہ زبان کو بنا دیں بعض علما محققین نے بڑا خون جگر پیا ہے کہ وہ سب وچ اور ضروری الفاظ کو انہیں آوازوں کی نقل میں تحویل کر دیں مگر ان کو بالکل ناکامیابی ہوئی اب تک کوئی زبان اس اصول کے موافق نہیں بنی بعض اوقات اس قسم کے الفاظ غیر قوموں کے درمیان واسطے گفتگو ہوتے ہیں ایک انگریز کسی چینی کے ہاں مہمان تھا جب اوسکے سامنے گوشت کی رکابی آئی تو انگریز نے کہا کہ کوئک کوئک (خذ خذ) یعنی بطا کا گوشت ہے چینی نے کہا کہ بھوں بھوں یعنی کتے کا گوشت ہے۔ ایسی باتیں دل بہلانے کے لطیفے ہیں ان سے زبان نہیں بن سکتی۔ اس اصول کا برتاؤ فقط حیوانوں کے چند ناموں میں ہو سکتا ہے مگر حیوانوں کے بھی نام بہت ایسے ہیں کہ ان کے ناموں اور انکی بولیوں میں کچھ مناسبت نہیں۔ مثلاً کتے کے لفظ کو بھوں بھوں سے۔ بلی کے لفظ کو میاؤں میاؤں سے۔ بکری کے لفظ کو میں میں سے کبوتر کو غٹر غوں سے کچھ مناسبت نہیں اور سوا ان حیوانات کے اور چیزیں بھی ہیں کہ انکے ناموں کو انکی آوازوں سے مشابہت نہیں بجلی کے لفظ کو کڑک سے ہوا کو سائیں سائیں سے کیا مشابہت ہے۔ اس اصول کے برخلاف بہت سے حکما کی رائے ہے وہ کہتے ہیں کہ اس اصول کا ماننا انسان کو حیوان سے کمتر بناتا ہے۔ انسان کو اسکی ضرورت کیا ہے کہ وہ پرندوں اور مویشیوں سے اس باب میں سبق پڑھے وہ خود رونا چلانا۔ ہائے وائے کرنا۔ قاہ قاہ کرنا۔ ہوہو کرنی۔ اخ اخ کرنا خوف و تکلیف خوشی میں بالطبع آوازیں نکالنی جانتا ہے جب بیمار ہوگا ہائے ہائے کی آواز اوسکے منہ سے بے اختیار نکلے گی۔ یہ اصوات طبیعی اس میں موجود ہیں اسکو ضرورت اور حیوانوں کی آوازوں کی نقل اتارنے کی کیا ہے +

اب دوسرا اصول جو اصوات طبیعی کی نقل سے زبان بننے کا ہے اسکے برخلاف بھی وہ دلائل پیش ہو سکتی ہیں جو اول اصول کی نسبت پیش ہوئیں اس میں شک نہیں کہ ہر زبان میں الفاظ ندا۔ ندبہ اور آواز طبیعی سے بعض الفاظ اخذ ہوئے ہیں مگر یہ اصوات تو زبان کی

حواشی ہیں جہاں زبان شروع ہوتی وہاں وہ ختم ہوتے ہیں۔ اصلی لفظ اور اس صوت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کہاں ہنسنا کہاں قاہ قاہ کی آواز۔ کہاں رونا کہاں اسکی آواز۔ یہ کہنا کہ زبان اصوات طبعی سے بنتی ہے۔ یہ کہنا ہے کہ ہم بھی اسطرح بولتے ہیں جیسے کہ کتا بھونکتا ہے کہ بھوں بھوں کی آواز بالطبع اسکے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ اصوات فقط اسلئے ہیں کہ انسان اپنا حزن و ملال و مسرت و انبساط اوروں پر ظاہر کرے۔ اصوات طبعی ہماری زبان کا ایک حصہ ہے جب ہماری جذبات و خواہشیں وغیرہ ہم کو اپنی طبعی حالت پر لاتی ہیں تو یہ صوت طبعی ہمارے منہ سے بے اختیار نکلتی ہیں اور اس وقت وہ ہماری گویائی کو بھلا دیتی ہیں اور بعض حالتیں ہم پر ایسی طاری ہوتی ہیں کہ سوا ان مختصر اصوات کے اور الفاظ بولنے کی فرصت نہیں ملتی +

خلاصہ یہ ہے کہ ان دو اصول کے موافق بعض الفاظ بن سکتے ہیں مگر زبانیں جو رنگ برنگ کی صدہا طرح کی ہیں وہ انسے نہیں بن سکتیں۔ اس میں شک نہیں کہ کسی مناسب موقع و محل پر ایک مختصر صوت طبعی ایک طول تقریر سے زیادہ موثر ہوسکتی ہے۔ یہ اصوات طبعی ہمارے دل کی بعض کیفیتوں اور حالتوں کو الفاظ سے کہیں زیادہ اچھی طرح بیان کرسکتی ہیں جب ہم بے خفتگی کسی چیز کو دیکھ کر پوہ پوہ یا چھی چھی کہتے ہیں تو اس صوت طبعی سے جیسی ہماری نفرت قلبی ظاہر ہوتی ہے ایسی کسی لفظ سے نہیں ظاہر ہوسکتی۔ اگر ان دونو اصول مذکور کو مسلم مان لیں تو پھر کسی چوپایہ و پرند کو نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطق نہیں کہتا طوطے وغیرہ کو کیا بلکہ اور پرندوں کو بھی جو انسان کی بولی کی نقل اتارتے ہیں یہ کہنا پڑیگا کہ وہ بھی ناطق ہیں پر حیوان ناطق نہیں ہوسکتا جسکا بیان باب اول میں کیا گیا +

باب سوم فارسی زبان

فصل اول فارسی زبان کا بیان

(۱) باب دوم میں بیان کیا ہی کہ یہ محال ہے کہ اُس زبان کا حال صحیح صحیح از ابتدا تا انتہا بیان ہو سکے جو ایک وسیع قطعات زمین میں ایسے قدیم زمانہ سے بولی جاتی ہو جو یاد سے بھی فراموش ہو گیا ہو۔ اسکے آغاز کا جو زمانہ ہوتا ہے اُسپر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوتی ہے کہ اگر ہم اپنی فہم و ذکا کو آفتاب بھی بنا کر لے جائیں تو وہاں اُسکی روشنی ذرہ کی برابر بھی کام نہ کرے۔ مگر علماء محققین کسی زبان کے لئے ابتدائی زمانہ قرار دیتے ہیں جس سے مُراد اُنکی یہ ہوتی ہی کہ اس سے پہلے زمانہ کا حال ہم کچھہ نہیں دریافت کر سکتے۔ پھر زبان کی زمانہ کی ابتدا یوں قرار دیکر اسکا حال اس زمانہ کی آثار قدیمہ سے جیسے کہ عمارات کتابی سکے نوشتے۔ الفاظ ہیں بڑی تدقیق سے تحقیق کرتے ہیں مگر اس تحقیقات کے مقدمات مرتب کر کے جو نتائج وہ نکالتے ہیں اور ان پر اپنی رائیں جماتے ہیں وہ ایسی متضاد و متخالف ہوتی ہیں کہ کوئی امر ایسا ثابت نہیں ہوتا کہ اوسپر یقین کا یا ظن غالب کا حکم لگ سکے۔ اونیسویں صدی میں تحقیق زبان کی جن راہوں پر مغربی محققین چل رہے ہیں اونپر مشرقی محققین نے کبھی قدم نہیں رکھا۔ ان راہوں میں چلنے کا اسباب کبھی ان کو میسر نہیں ہوا۔ ان کی تحقیق کے طریق ہی کچھہ اور تھے۔ اصول لغات باب میں جو تحقیق کا مشرقی طریقہ ہے وہ اس باب میں بیان کرونگا اور فارسی زبان کو اُس کی مثال بناؤنگا۔ اسکا مقابلہ مغربی تحقیق سے بھی کرونگا طلبہ کا جی جسکو چاہے پسند کرے +

(۲) مشرقی تحقیقات

یہ تحقیقات زیادہ تر میں خان آرزو کی تحقیقات سے کرتا ہوں جسکا خطاب سراج المحققین ہے وہ سب سے اول قدیمی فارسی زبان یعنی ژند کی نسبت لکھتا ہی کہ کتاب اوستا مجوسیوں کے زعم میں کتاب آسمانی ہے کہ اُنکے پیغمبر ابراہیم زردشت پر نازل ہوئی ہے اور ژند اُسکی تفسیر ہے اور پاژند اس تفسیر کی تفسیر ہے وہ بھی زردشت کی تصانیف سے ہی۔ ان سب کی زبان

پہلوی بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ زردشت نے جو بادشاہ ہند کے نام خط لکھا تھا اسکو بھی لیے جنید پڑھتا ہے اسکی بھی زبان پہلوی تھی۔ اُسکے نزدیک زردشت کی تصنیفات کی زبان اصل میں وہی تھی جو اب متروک الاستعمال ہے۔ زبان پہلوی کے بعد زبان دری ہے اور زبان دری کے بعد زبان فارسی جو بالفعل متعارف ہے +

یہ بھی مشرقی علماء نے عجیب بے سروپا ڈھکوسلہ بنایا ہے کہ زردشت کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ بتایا زردشت کی اصل آذر دوست یعنی آگ کا دوست کہتے ہیں۔ نمرود نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا تو وہ گلزار ہوگئی تھی۔ یوں آگ نے اوسکے ساتھ دوستی کی تھی اسلئے آذر دوست و زردشت ایک ہیں۔ پھر ایک محقق نے لکھا ہے کہ زردشت کی تصنیفات ایسی کثیر تھیں کہ وہ گائے کی بارہ سو کھالوں پر لکھی جاتی تھیں۔

(۳) زبان فارسی ہفت گانہ۔

خان آرزو لکھتا ہے کہ فارسی زبان سات طرح کی ہے چار انمیں سے ہروی (ہرات کی) سگزی (سیستان کی) زاولی (زابلستان کی) سغدی (سغد کی) متروک ہیں کہ انمیں نامہ و کتاب نہیں لکھ سکتے اگر ان زبانوں میں سے ایک دو کلمے بیت و غزل میں لائیں تو روا ہے باقی تین زبانیں متداول ہیں۔ انمیں نامہ و کتاب لکھ سکتے ہیں اور شعر کہہ سکتے ہیں ایک انمیں فارسی ہی زبان ہے۔ تمام ایران اور توران میں بالفعل اسمیں تکلم اور ترسل جاری ہے ہندوستان میں بھی اسکا تتبع کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں قطعہ قطعہ پر زبان کا لہجہ کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے ایسا ہی حال ایران میں ہے کہ فرور زیں۔ گیلان خراسان کے ہر ناحیہ و شہر میں لہجہ اور الفاظ متخالف مروج ہیں کاشان میں الف و نون جب ہمراہ آتے ہیں تو الف کو واو سے بدل لیتے ہیں ایسے ہی فتحہ کو ضمہ سے چناں کو چنوں۔ کماں کو کموں۔ شراب کو شروب کباب کو کباب بروزن حباب بولتے ہیں جس کلمہ میں الف و نون جمع کا آئیگا اُس کو واو سے عراق و شیراز نے بھی وضع تکلم بھی اختیار کی۔ دکان کو دکون۔ جان کو جون کہینگے بعض قطعات میں فتحہ کو کسرہ سے بدل لینگے درخت کو درخت کہینگے +

دوم زبان دری ہے بعض کے نزدیک اس زبان کا نام جسمیں کہا تا ہیں صرف نہیں ہوتا

اشکم - بر - کو فرزوں کی جگہہ اشکم - ابر - بگو - افرودن آتا ہے - بعض کہتے ہیں کہ دری وہ لغت ہے کہ وہ ان چند شہروں - بلخ - بخارا - سجستان - میں بولے جاتے تھے +

بعض کہتے ہیں کہ اہل بدخشاں کی زبان کا نام دری ہے - بعض کہتے ہیں کہ دری وہ زبان ہے کہ درگاہ کیاں میں بولی جاتی ہے - مجد الدین قوسی شوستری کہتا ہے کہ جیسی کبک کی توصیف دری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ درۂ کوہ میں رہتا ہے ایسی ہی فارسی کی تعریف دری اسلئے ہوتی ہے کہ وہ درہ کوہ میں بولی جاتی ہے - مگر ارباب انصاف پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ دونوں نسبتیں بعید از قیاس ہیں اسلئے کہ کبک دری تو کبک کی ایک قسم ہے جسکا جثہ بہت کلاں اور رنگ اسکا اور کبکوں کے رنگ سے بہتر ہوتا ہے اگر کبک کو درہ کے رہنے کے سبب سے کبک دری کہتے تو چاہئے تھا کہ کل کبکوں کو دری کہتے پس فارسی کو اس معنی کر دری کہنا بعید ہے بعض رسالوں میں دری کے معنی برگزیدہ و خالص کے لکھے ہیں - اگر یہ معنی ثابت ہوں تو انسب و اولی ہیں اسلئے کہ اس صورت میں دونوں کی توصیف ہم معنی ہو جائیگی سب جانتے ہیں کہ ہر شہر میں خاص کر دار السلطنت میں صنف و ہر بلد کے آدمیوں کی آمد و رفت رہتی ہے اور اس سبب سے شہر کی زبان اور زبانوں سے مخلوط ہوتی ہے قصبات و دہات اس اختلاط سے یوں محفوظ رہتے ہیں کہ وہاں بیگانوں کا دخل کم ہوتا ہے اسلئے انکی زبان بحالت خود رہتی ہے - درہ کوہ کی زبان خالص فارسی ہوگی اسلئے بدخشاں کی زبان کو دری کہتے ہونگے کیونکہ وہ کوہستانی ملک ہے بعض کتب اصول لغت عربی میں لکھا ہے کہ معتبر فصیح زبان عربی وہ ہے کہ اور زبانوں سے آمیختہ نہ ہو اسیواسطے قبائل عرب جو سرحد شام یا ولایت یمن یا حبش کے نزدیک رہتے ہیں انکی زبان پایۂ اعتبار سے ساقط ہے - اسلئے کہ بنادر میں تجارت کے سبب سے انکی آمیزش غیر قوموں سے اور اونکی زبان کی آمیزش اور غیر زبانوں سے رہتی ہے غرض پاکیزہ زبان وہی کہلاتی ہے جو اپنے دامن پر غیر زبان کے لفظ کو ناپاک دھبہ سمجھے - اسلئے علامہ سیوطی نے مزہر میں لکھا ہے کہ قبائل عرب ہر سال زیارت کعبہ شریف سے مشرف ہوتے تھے اہل مکہ نے انکی زبانوں میں سے محاورات و کلمات عمدہ عمدہ انتخاب کر کے اپنی زبان میں داخل کر لئے -

اسلیٔے اونکی زبان گویا قبائل عرب کی زبانوں کا خلاصہ اور عطر بن گئی - بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ دری وہ زبان ہے جو بادشاہوں کے دربار میں بولی جاتی تھی -

سوم زبان پہلوی ہے - کوئی کہتا ہے کہ پہلو پارس کے باپ کا نام تھا - یہ زبان اوسکی زبان سے مستفیض ہوئی ہے - ایک فرقہ کہتا ہے کہ پہلو کے معنی منسوب بہ پہلہ ہیں اور پہلہ رے واسپہان ودنیور کو کہتے ہیں یہاں کی زبان کا نام پہلوی ہے - ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ پہلوی اس زبان کو کہتے ہیں کہ پایۂ تخت کیان کے پہلوان بولیں - پہلوی کو پہلوانی بھی کہتے ہیں پس جب دری اس زبان کو کہینگے کہ بادشاہوں کے دربار میں بولی جاتی تھی - اور پہلوی اس زبان کو کہیں جو بادشاہوں کے پایۂ تخت کے پہلوان بولتے تھے تو یہ دونو زبانیں ایک ہوئی جاتی ہیں - فقط اتنا تفاوت رہتا ہے کہ جس زبان کا نام پہلے پہلوی تھا اسی کا نام بعد ایک زمانہ گذرنے کے دری ہوگیا - اور اس زمانہ کے سبب سے انکے تکلم میں کچھ تغیر ہوگیا - حق تحقیق تو یہ ہے کہ معتبر فارسی وہ ہے جو اردوے بادشاہی کی زبان بعد اختلاط جماعات متفرقہ کے قرار پائے اسلیٔے نظم فصحا و نثر بلغا میں اس زبان کے سوا کوئی اور زبان نہیں ہوتی اگر ہو تو وہ بسبب قلت کے حکم عدم رکھتی ہے - اس طرح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زبانوں میں افصح زبان اردو ہوتی ہے - کسی خاص ملک کی خالص زبان شعر و انشا میں منظور نہیں ہوتی یہی سبب ہے کہ شاعر خواہ کسی ملک کا ہو مثلاً خاقانی شروان کا نظامی گنجہ کا سنائی غزنین کا خسرو دہلی کا - اس مقررہ خاص زبان اردو میں حرف زنی کرتے ہیں۔

(۴) اب مغربی علمار محققین کی داستان سنئے کہ وہ زبانوں میں ولیت کا تاج سنسکرت کے سر رکھتے ہیں اور اسکے بعد دوسرے ہی کی کلاہ ژند کے سر پر رکھتے ہیں ایوان کتب آسمانی میں وید کا سنگھاسن صدر میں سجاتے ہیں اور اسکے بعد ژند اوستا کی کرسی بچھاتے ہیں - وہ ژند زبان کی تحقیقات میں کھال کی بال نکالتے ہیں اور حق تحقیق ادا کرتے ہیں اسکی ابتدا اسطرح سے ہے ایک فرانسیسی فاضل این کوئی تل پر ورن تھا - اسنے کسی کتب خانہ میں ژند کا ایک ورق پڑھا جسکے سبب سے اسکو ژند کے مطالعہ کا شوق وہ پیدا ہوا کہ اوسنے جہاز کے کرایہ کی تخفیف کے لئے اپنا نام فرانسیسی سپاہ میں لکھوایا جو ہندوستان کو آتی تھی - وہ یہاں سنہ ۱۷۵۲ سے سنہ ۱۷۶۱ تک

چھہ برس تک بمبئی ہندوستان کے مختلف اضلاع میں پھرتا رہا اور زرتشت (زردشت - زوراشتر - زردہوائش) کی تصنیفات کی تلاش میں سرگرم رہا - جہاں کہیں کوئی اسکا پارہ یا ورق ہاتھہ لگا اسکا سبق پارسی دستوروں سے پڑھا مضمون کو دماغ میں رکہا اور کتاب کو بغل میں - بعد ازیں اور مقلد اسکے پیدا ہوئے - ایک ڈنمارک کا فاضل اجل رسک بمبئی میں آیا - زرتشت کی تصنیفات کے قلمی نسخوں کے بہم پہنچانے کے لئے اپنی گورنمنٹ سے بھی روپیہ کی مدد پاتا رہا سنہ ۱۸۲۶ میں اُسنے ایک مضمون لکھا جسمیں ژند کو بجائے خود ایک اصل زبان ہونا ثابت کیا اور ان تین باتوں سے بحث کی +

اوّل - ژند ایک جداگانہ زبان ہے یہ نہیں ہے کہ وہ بگڑی ہوئی سنسکرت ہو +

دوم - زمانہ حال کی فارسی زبان کا ماخذ و منبع ژند ہی ہے +

سوم - ژند سکندر کے زمانہ سے پہلے کتابت میں آئی +

پھر برنوف نے اصل ژند کے قلمی نسخے جمع کیے اور اوسکی گرامر (صرف و نحو) کا چربہ بنایا - اسکی تصنیفات اور بوپ کی تحریرات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت کی (ویاکرن) اور لغات سے جیسے ژند کی گرامر اور اوسکے لغات ملتے ہیں ایسے کسی اور زبان سے نہیں ملتے - بہت سے الفاظ ژند میں ایسے ہیں کہ صرف حرفوں کی تبدیل سے انکا ترجمہ سنسکرت میں ہو جاتا ہے سنسکرت کا سا ژند میں ہ ہوتا ہے - ژند میں ہندوستان کا نام ہپت ہندو آتا ہے - وید میں اسکا نام سپت سندھو آتا ہے یہ نام سات دریاؤں کے سبب سے کہا جنمیں پانچ دریا پنجاب کے اور دو دریا سندھ و سرستی ہیں - وید اور ژند میں ایک سے سو تک عدد کے نام ایک ہی سے ہیں ہندوستان اور ایران ان دونو ملکوں کے قدیمی زبانیں مذہب سبہو لوجی ایسی ملتے جلتے ہیں کہ بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان ہی سے آریا قوم نقل مکان کرکے ایران میں جا کر بسی ہوگی مگر اسکے برعکس محققین کی کثرت رائے ہے طرفین کی وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط قیاس ہی قیاس کے افسانے ہیں اس باب میں ایک محقق نے یہ خوب تشبیہا بیان کیا ہے کہ وید و ژند اوستا ایک ہی چشمے کے دو دریا ہیں - وید کا دریا بھر پور صاف ستھرا رہا اور اپنی اصلی حالت پر چلتا رہا - مگر ژند کا دریا ایسا مکدر اور آلودہ ہوا کہ اوسکا رستہ بدل گیا اور

اپنے سرچشمہ سے ایسا قطع تعلق ہوگیا کہ اوسکا پتا وہاں تک اب نہیں لگتا۔ یہ حال تو ژند اصل زردشتی زبان کا ہے۔ اب دوسرا زمانہ فارسی زبان کا ایخیمنیون کی زبان کا ہے وہ ایسے خط میں لکھی جاتی تھی جسکے حرفوں کی صورتیں تیروں کی سی تھیں تکو میخی کہتے ہیں۔ اس خط اور زبان میں دو کتابے ایک پرسی پولس (اصطخر) کے کھنڈروں میں اور دوسرا بہستان کی پہاڑیوں میں ہے انکے پڑھنے میں بعض محققین نے بڑا خون جگر پیا۔ اور اوسکو پڑھ کر بہت سی زبانوں کے عقدے کھولے یہ کتابے جب تک پڑھے نہ گئے یہ معلوم ہوتے تھے کہ وہ نازک تیروں و میخوں کا ایک گول ڈھیر لگا ہوا ہے خط کا تو گمان ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہی زبان ژند اوستا کی ہے مگر دوسرے زمانہ کی اس زبان کے بعد تیسرا زمانہ زبان ہزوارش کا ہے جسکو پہلوی بھی کہتے وہ مغربی ایران و میدیا و پارس کی زبان ساسانیوں کے عہد کی ہے جو ۲۲۶ع سے ۶۵۱ع تک رہا۔ اس خاندان نے ایران کی سلطنت میں جان ڈالی تھی اور اوس کو پھر بحال کیا۔ اور پھر اپنی قومی زبان کو جو مردہ ہو چلی تھی زندہ کیا۔ اور مغربی اضلاع میں اسکو چلایا۔ اس زبان میں کتابے حاجی آباد اصطخر کرمان شاہ میں اور کتابیں بھی زردشت مذہب کی موجود ہیں کتابوں میں سب سے زیادہ عمدہ کتاب ژند اوستا کے اکثر حصوں کا ترجمہ ہے جنکے نام یاسنا۔ وسپرد۔ وندی داد ہیں اور اصلی کتابیں مذہبی بندہشن شکند گمانی دین کرت۔ آتش بہرام ہیں۔ اس زبان میں سمی زبانوں کے الفاظ بہت مخلوط ہو گئے ہیں جسکے سبب سے اسکی صرف و نحو ژند کی صرف و نحو کی طرح باقاعدہ نہیں رہی اور ان بیگانہ زبانوں کی آمیزش سے اسکی حالت ایک سی نہیں رہی۔ یہ پہلوی زبان حال کی فارسی زبان سے زیادہ اختلاف نہیں رکھتی۔ اسکے بعد چوتھا زمانہ پاژند یا دری کا آیا یہ وہ زمانہ ہے کہ پہلوی زبان بیگانہ زبانوں کے الفاظ کی آلائش سے پاک صاف کی گئی۔ کل الفاظ غیر زبانوں کے خارج کیے گئے اور خالص فارسی زبان کے الفاظ انکی جگہہ رکھے گئے اور اس خالص زبان کا نام پاژند (دری) رکھا گیا اور اس پاژند ہی سے حال کی فارسی ۸۰۰ع و ۱۰۰۰ع کے درمیان بنی۔ یہ پاژند خالص زبان جنوبی مغربی اضلاع ایران کی تھی مغربی محققین زبان پارسی نے جب تک فردوسی کا شاہنامہ نہیں پڑھا جو ۱۰۰۰ع میں تصنیف ہوا وہ فارسی زبان

محض نا آشنا تھے۔ اوسکو پڑھ کر پھر ایسی تحقیقات کے درپے ہوئے کہ ہزاروں ورق لکھ ڈالے اور زردشتیوں ہخامنیشیوں و ساسانیوں کی تاریخ تحریر کی۔ ژند اوستا کے پانچ طرح کے نسخے موجود کئے ہوگ صاحب نے جو پونا کالج میں سنسکرت کے پروفیسر تھے ژند کی گرامر و ڈکشنری وہ بے نظیر لکھی کہ کسی پارسی کو بھی لکھنی نصیب نہیں ہوئی۔

(۵) مسلمانوں کے عہد میں فارسی علم ادب کا بیان

ساسانیوں کی سلطنت کے تنزل کے بعد زبان پارسی میں بڑا تنزل آیا عرب کا عجم پر تسلط ہوا۔ اہل عرب کی آب شمشیر نے اہل عجم کی آتش خانوں کی آگ کو ایسا بجھایا کہ پھر انکو روشن ہونا نصیب نہیں ہوا۔ زردشتی مذہب پر اسلام فرمانروا ہوا۔ اکثر اہل ایران نے اسلام قبول کیا۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ اپنے مذہب پر اپنے وطن میں جزیہ دیکر برقرار رہے۔ کچھ دانشور و دستور ایسے بھی تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کے خدا اور رسول کو نہیں مانا۔ جلا وطن ہونا پسند کیا۔ اپنی کتب مقدسہ و قدیمی نوشتے جو غارت ہونے سے بچے تھے جان و ایمان کے تعویذ بنا کے ساتھ لے نکلے۔ یہ وہی بقیہ کتب مقدسہ ہے جسکی تحقیق میں مغربی محقق تحکم کو جولانیاں دے رہے ہیں یہ ایک آئینی قدرت ہے کہ فاتح مفتوح سے جیسا کہ ملک و سلطنت۔ دولت و جان کو دفعتہ کھینچ لیتا ہے۔ ایسا اسکی زبان کو نہیں چھین سکتا۔ مدتوں تک وہ اپنے حال میں رہتی ہے اور بتدریج ایک زمانہ میں تبدیل ہوتی ہے۔ فارسی علم ادب گو سکندر اعظم کے ستم سے برباد ہو چکا تھا۔ مگر ساسانیوں کے خاندان نے پھر اوسکی صورت بنائی تھی۔ مگر اب کی دفعہ اوسکے اوراق ایسے پریشان ہوئے کہ اونکی شیرازہ بندی تو نہ ہوئی مگر اُسنے اپنے تئیں ایک نئی صورت میں دکھایا کہ اسمیں لغات عرب نے فارسی لغات میں اپنا سکہ جمایا اور اپنا اثر شروع کیا۔ اہل فارس ریاست سیاست حسن ملکات تدابیر جنگ وضع اشیا فن انشا پاکیزگی اختراع طعام لذیذہ وخوشبو پسندیدہ و لباس خوش قطع میں مشہور و نامور ہمیشہ سے چلے آتے ہیں انکی زبان کی شیرینی سب کے نزدیک مسلم ہے جب وہ مذہب میں سلطنت میں اہل عرب کے محکوم ہوئے تو انہوں نے حاکموں کی زبان عربی میں وہ ملکہ و استعداد بہم پہنچایا کہ اہل عرب کو بھی پیچھے بٹھایا۔ اگر عربی زبان کی کتابوں کے مصنفوں کی فہرست بنائی جائے۔ تو ہر فن و علم کے مصنفوں کی تعداد

فارسیوں کی زیادہ ہوگی - انمیں بڑے بڑے زبردست جید و مستعد عالم فاضل شاعر حکیم فلسفی - نحوی - صرفی - مورخ - مفسر - محدث ایرانی ہوئے ہیں ادہر عربی زبان میں انہوں نے اپنے کمال دکھائے اُدہر اپنی زبان کو بھولے نہیں صرف اتنا تصرف اس میں مذہب و سلطنت کی مجبوری سے انکو کرنا پڑا کہ فارسی الفاظ عربی الفاظ مخلوط کرنے لگے جب سے کہ ایران پر علم اسلام قائم ہوا فارسی علم ادب کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ اسکی طرز و طور مرور دہور سے مختلف ہوتی رہی (۹۵۲ء) سب سے اول ابوجعفر عبد اللہ رودکی نے اشعار کی تدوین کی گو بعض مسلمانوں نے پہلے بھی شعر کہے مگر وہ قات کے سبب سے حکم عدم رکھتے ہیں گو یہ شاعر بینائی سے محروم تھا مگر بادشاہ وقت کی عنایت سے دولت سے معمور تھا - دو سو غلام اسکی خدمت کرتے تھے ایسا پر گو تھا کہ کہتے ہیں کہ تیرہ لاکھ شعر کہے تھے مگر اب کلام بہت ہی کم باقی ہے - کلیلہ دمنہ جسکا ترجمہ نظم میں اُسنے کیا تھا وہ کہیں نہیں ملتا - اسکی طرز گفتگو اور استعمال الفاظ جو تھا وہ اب متروک ہے (۱۰۸۰ء) قابوس ایک دیلمی بادشاہ تھا اُسنے قابوس نامہ لکھا حکیم سنائی نے فارسی زبان میں ایک دیوان اور تیس ہزار شعر تصنیف کیے حدیقہ سنائی انکی تصنیف سے مشہور کتاب ہے محمود غزنوی کے زمانہ میں شاعری نے اپنا نیا رنگ دکھایا - چار سو شاعر اسکے دربار میں موجود رہتے تھے تیس ہزار قصیدے اسکی تعریف میں لکھے گئے - فردوسی - عسجدی - عنصری مشہور شاعر اسی زمانہ کے ہیں اس طرز کا رواج اوائل عہد نظامی خاقانی انوری کمال اسمعیل تک رہا - پھر ان شاعروں نے ان کا رنگ بدلا خواجوے کرمانی سعدی شیرازی نے ایک تازہ بنیاد ڈالی ایک نخلبند شعرا کہلاتا ہے - دوسرا پیغمبر سخن - پھر اُس کے بعد خسرو دہلوی نے ایک ہنگامہ تازہ برپا کیا اس طوطی شیریں مقال ہندی کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی زبان غزل میں زبان سعدی کے قریب تھی مثنوی میں خمسہ نظامی سے پنجہ کرتی تھی قصیدہ میں خاقانی سے ملتی تھی - بعد اسکے شمس الدین حافظ شیرازی نے شور سخن کو نمک تازہ بنایا - پھر دار الملک لفظ و معنی کی سلطنت کی نوبت مولانا جامی کی پہونچی - تھوڑی مدت میں ورق بھی پلٹ گیا قدح ٹوٹ گیا شعرا شہیدی - قمی و حیرتی و عبرتی و عرفی شیرازی و ظہوری و نظیری نیشاپوری فیضی ہندی نے بابا فغانی کا تتبع کیا - انہیں سے نورالدین ظہوری نے نظم و نثر میں ایک طرز اختیار کی جو متاخرین

ہیں اسکی طرز پر کوئی نہ چل سکا۔ مرزا محمد علی صائب نے عالم سخن اور ہی پیدا کیا اگرچہ بعض اہل ایران کہتے ہیں کہ کلام ابوطالب کلیم کلام صائب پر تفوق و ترجیح رکھتا ہے لیکن دیوان صائب کا منتخب کلیم کے دس دیوانوں کی برابر ہے۔ پھر انکے ہمعصر یا شاگردوں نے جیسے کہ مرزا جلال اسیر شہرستانی اور ملا قاسم شہیدی ہیں اور ہی راہ اختیار کی اور اپنی طرز کا نام طرز خیال رکھا۔ اور ایسے دور کے خیالات میں پڑے کہ اشعار بے معنی ہونے لگے۔ شعراء ہند نے اسیر و قاسم کی طرز کو پسند کر کے کچھ اور ہی رنگ فارسی میں پیدا کیا اور خیالات و عبارات تازہ تراشنے لگے جیسے شاہ ناصر علی و مرزا عبدالقادر بیدل ارادت خاں واضح ہوئے۔ جو شاعر ایران سے آئے انھوں نے دیکھا کہ ہندوستانی زبان کی خوبی و نکات کو سمجھتے نہیں مگر استعارات و تشبیہات کا مذاق رکھتے ہیں اسلئے انہوں نے اپنے کلام میں وہ استعارات و تشبیہات کی افراط کی کہ زبان کی خوبی ان رنگوں میں چھپ گئی۔ شاعری میں علم تصوف نے بھی اپنا بہت تصرف کیا۔ فرید الدین عطار کی کتابیں سنائی کا حدیقہ جلال الدین رومی کی مثنوی سر تا پا مضامین تصوف سے بھری ہیں۔ عشق مجازی کے سارے سامان مے و معشوق و ساقی و بہار کے معنی جدید ٹھہر کر عشق حقیقی کی اصطلاحات قرار دی کر شاعری کا ڈھنگ ایک بنا کر دیا۔ حافظ شیراز کا کلام اس قسم کی شاعری میں سب پر سبقت لیگیا۔ جو نظم کا حال بیان ہوا وہی نثر کا ہے۔ نثر میں بہ نسبت نظم کے عربی الفاظ کا زیادہ استعمال ہوا۔ بعض فارسی کتابوں میں تو عربی الفاظ ایسے مشکل و متروک مستعمل ہوئے کہ وہ عربی زبان کی کتابوں سے زیادہ مشکل ہو گئیں جیسے کہ وصاف درۂ نادرہ وغیرہ ہیں +

(۶) فارسی زبان کی فضیلت میں روایات و احادیث +

ایرانی مسلمان اپنی فارسی زبان کے باب میں بڑے فخر و مباہات کی روایات و احادیث کو بیان کرتے ہیں فرہنگ جہانگیری کا مصنف ابن فخر الدین انجوئی اور دو مصنف ایرانی لکھتے ہیں کہ عربی زبان کی فصاحت سے کسی اور زبان کو سوا دری کے نسبت دینی گناہ ہے۔ یہہ حدیث ہے کہ اذا اراد اللہ امر فیہ لین اوحی الی الملائکۃ المقربین بالفارسیۃ الدریۃ و اذا اراد اللہ امر فیہ شدۃ اوحی بہ الی الملائکۃ بالعربیۃ الخیریۃ ترجمہ جب خدا کسی نرمی کا حکم جاری کرنا

ارادہ کرتا ہے تو اپنے مقرب فرشتوں کو فارسی دری میں وحی بھیجتا ہے اور جب خدا کسی سخت کام کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتوں کو عربی زبان میں وحی بھیجتا ہے بہشت میں عربی و دری بولی جائے گی۔ آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ نے فارسی زبان میں تکلم فرمایا ہے +

فصل دوم

(۱) مشرقی محققین جس طرح زبان و الفاظ کا بیان لکھتے ہیں +

امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے کہ ہر معنی کے واسطے لفظ ہو اسلئے کہ جتنے معانی ممکن ہیں اونکا تعقل غیر متناہی ہے اور الفاظ حروف سے بنتے ہیں اور حروف متناہی ہیں اور متناہی سے متناہی پیدا ہوتا ہے اور متناہی ضبط غیر متناہی کا کر نہیں سکتا اس لیئے متناہی مدلولات کی لازم ہوتی ہے۔

(مغربی محققین نے حساب لگایا ہے کہ اگر حروف تہجی ۲۳ یا ۲۴ مقرر کئے جائیں جیسے کہ فارسی یا انگریزی کے حروف تہجی ہیں اور انکی ترتیب جس طرح سے ممکن ہو لگائی جائے تو اتنی ترتیبیں ہوتی ہیں کہ دنیا کی ہر ایک زبان کا ہر ایک لفظ اس میں آجاتا ہے اگر حرفوں کی تعداد ۲۳ قرار دیں تو ۲۵۸۵۲۰۱۶۷۳۸۸۸۴۹۷۶۶۴۰۰۰۰ اور اگر تعداد ۲۴ قرار دیں تو ۶۲۰۴۴۸۴۰۱۷۳۳۲۳۹۴۳۹۳۶۰۰۰۰ آوازیں مرتب ہونگی۔ مگر انمیں سے ہر ایک آواز ان شرائط کو پورا نہیں کرے گی جو لفظ کے کلمہ کے ہونے کے لئے ضرور ہیں کہ وہ مختلف تصورات سے پیدا ہوئے ہوں اور مختلف زبانوں میں مختلف طور سے بیان کئے گئے ہوں)

(ارسطو نے لکھا ہے کہ ہم کسی چیز کے اس بسیط مادہ کو عنصر کہتے ہیں جس سے وہ چیز بنی ہو یہ عنصر کبھی قابل قسمت نہیں ہوتا مثلاً زبان کے عناصر حروف ہیں جنسے وہ پیدا ہوتی ہے اور زبان کی تحلیل ان حروف میں جنسے وہ بنی ہے ہوسکتی ہے مگر حروف کی تحلیل مختلف آوازیں نہیں ہوسکتی اور اگر ہو گی تو اسکے اجزا متجانس ہونگے جیسے کہ پانی کا جزو پانی ہوتا ہے وہ کوئی ہجا نہیں ہوگا) وضع الفاظ محض ان معانی کے تعقل کے لئے ہوتی ہے جنکی ضرورت زیادہ پڑتی ہے سنسکرت کی زبان میں کوئی لفظ حمام اور تنور کے لئے اسلئے نہیں ہے کہ ان دو نو چیزوں کی ضرورت ہندوؤں

نہیں پڑتی تھی۔ وہ از روئے مذہب دریاؤں پر جاڑے میں نہانے کو توے کے روز دہونے کو واجب جانتے ہیں پہر گرمابہ کی ضرورت کیوں ہونے لگی اور تنور کی حاجت کس لئے وہ تو روز دہویا نہیں جا سکتا +

وضع الفاظ سے غرض افادہ معنی مفردہی تنہا نہیں ہوتی بلکہ افادہ مرکبات اور نسبتوں سے کہ اُنکے درمیان مثل فاعلیۃ و مفعولیۃ وغیرہ ہوں غرض ہوتی ہے۔ موجودات عالم اور اُن کے آپس کے تعلق یا جو حالتیں و کیفیتیں فعل و انفعال سے موجودات پر طاری ہوتی ہیں ہر ایک کا نام کچھ نہ کچھ وضع کیا جاتا ہے جسکو اصطلاح صرف میں اسم کہتے ہیں جیسے۔ زید۔ اسپ۔ حلم۔ نور۔ دوڑنا۔ جن الفاظ سے موجودات کی حالتیں اور کیفیتیں زمانہ گذشتہ میں واقع ہو چکیں یا بالفعل زمانہ میں موجود ہیں یا ہو رہی ہیں یا آیندہ ہونگی تعبیر کریں اُنکو فعل کہتے ہیں جیسے وہ مر گیا وہ مرتا ہے وہ مریگا جو لفظ موجودات کے تعلق پر دلالت کرے اُس کو حرف کہتے ہیں جیسے کہ گہوڑے سے موہن زمین پر گر پڑا +

(۳) قاضی عضد الدین صاحب مواقف نے لکہا ہے کہ کبھی لفظ موضوع ہوتا ہے شخص معین کے واسطے کبھی موضوع ہوتا ہے باعتبار امر عام کے اور وہ اسطرح ہوتا ہے کہ مشخصات میں ایک امر مشترک دیکہا جاتا ہے پہر یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ موضوع ہر ایک مشخصات کے لیئے ہے + موضوع کلی ہوتا ہے اور موضوع لہ شخص ہوتا ہے جیسے کہ اسم اشارہ ہو کہ وہ موضوع ہے عام کے واسطے مگر مسماۃ اسکا مشخص ہوتا ہے۔ انسان کا موضوع کلی ہے مگر موضوع لہ شخص ہے +

(۴) بعض علماء محققین کا یہ مذہب ہے کہ الفاظ کی دلالت معانی پر محض وضع کے سبب سے ہوتی ہے کہ واضع نے جو چاہا وضع کر دیا بغیر اسکے کہ لفظ و معنی میں کوئی مناسبت طبیعی ہو۔ اکثر عالموں کا یہی مذہب ہے مگر بعض عالم اسکے خلاف کہتے ہیں کہ لفظ و معنی میں ایک مناسبت طبیعی ضرور ہونی چاہیئے۔ لفظ کے لئے معنی تقاضا اختصاص کرتے ہیں اگر یہ مناسبت نہو تو واضع کو لفظ کے مقابل معنی وضع کرنے سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ اول مذہب کی دلیل یہ ہے کہ اگر دلالت لفظ باقتضا ذات لفظ ہوتی تو قریوں شہروں ملکوں میں اختلاف سخن باقی نہ رہتا سب شخص ہر لفظ کے معنی ایک ہی سمجہتا یا لفظ کی ایک معنی کی نقل دوسرے معنی میں محال ہوتی اسواسطے کہ جو شی ذات کے ساتہہ لازمی ہو

وہ منفک نہیں ہوسکتی اور کسی لفظ کی دو معانی متضاد بھی نہ ہوسکتے جیسے کہ بیع کے معنی بیچنے و مول لینے کے ہیں۔ دوسرے مذہب کی دلیل یہ ہے کہ حروف اپنی حد ذات میں مختلف خواص رکھتے ہیں مثل جہر۔ ہمس التہاب۔ رخاوت۔ استعلا۔ تسفل انکی ہیأت ترکیب بھی خواص مختلف ہیں مثلاً فعلان بہ تحریک حرکت پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ خفقان۔ جولان۔ یا فعّل بہ تشدید عین خاصئہ مبالغہ کا رکھتا ہے۔ جیسے کسّر توڑا کسّر چکناچور کر ڈالا۔ اگر واضع باوجود ان خواص جاننے کے اس کی رعایت نہ کرے اور تناسب میں اہمال کرے تو حق کلمہ ادا نہیں کرتا۔ ان دونوں فریق کا محاکمہ یہ ہے کہ تناسب فی اتی لفظ و معنی کا فہم معانی کو کفایت نہیں کرتا بلکہ وضع واضع کا فہم معانی میں تناسب کا محتاج الیہ ہے۔ ہر زبان میں تھوڑے ہی الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ لفظ و معانی میں تناسب بتلائیں جیسے لفظ غرغرہ کی صوت سے اسکے معنی یہ ہوجائیں کہ گلے میں پانی کو اسطرح پھرائیں کہ وہ نیچے نہ اُتر جائے۔ قرقرہ و قہقہہ وغیرہ ہاں یہ خصوصیت عربی زبان میں ہے کہ الفاظ کے حروف ایک طرح کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً جس کلمہ میں نون اور فے جمع ہونگے وہ دلالت کرینگے معنی خروج پر وجوہ میں سے کسی وجہ پر جیسے۔ نفر۔ نفخ۔ نفح۔ نفد۔ نفث۔ نفذ جس لفظ میں حے اور لام جمع ہونگے وہ دلالت کریں گے معنی شگافتن پر جیسے حلق۔ حلج۔ حلز وغیرہ +

(۴) معرفت لغت—

لغت کی جمع لغات ہے اور لغت کے معنی اس لفظ کے ہیں کہ جو کسی معنی کے واسطے وضع کیا گیا جیسے خلق کے معنی مخلوق کے لئے جاتے ہیں ایسے ہی لفظ کے معنی ملفوظ کے لئے جاتے ہیں لفظ کے اصلی معنی پھینکنے کے ہیں مگر اصطلاحی معنی اُس آواز کے ہیں جو آدمی کے مُنہ سے نکلے خواہ وہ کسی معنی کے واسطے وضع کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو اگر وہ کی گئی ہو تو اُسکو لفظ موضوع کہتے ہیں اگر نہیں تو لفظ مہمل۔ جہاں ہم نے لفظ لکھا ہے وہاں مراد ہماری لفظ موضوع ہی —— لغات کی معرفت ہم کو فقط نقل محض سے ہوتی ہے اور اوسپر اعتماد سماع سے ہوتا ہے۔ اب یہ نقل محض تواتر ہوتی ہے یا احاد نقل تواتر یہ ہے کہ وہ ہماری طرف منقول برابر چلی آتی ہے یعنی ہم ہمیشہ ان الفاظ کو سُنتے چلے آئے ہیں جیسے کہ فارسی زبان میں الفاظ گفت

شنید۔ کرد۔ برد۔ خورد وغیرہ ہیں نقل حادیہ ہے کہ لغت صرف ایک خاص شخص سے سُنا ہے پس اگر شخص ایسا معتمد اہل زبان ہے کہ اُسکا کلام مستند ہے تو وہ قابل اعتبار ہوگا۔ سوا ر نقل محض کے لغات کی معرفت قیاس سے بھی ہوتی ہے۔ اساتذہ قدیم کے کلام میں صدہا الفاظ متروک الاستعمال ایسے موجود ہیں کہ اُنکے معانی صرف قیاس سے معلوم ہوسکتے ہیں اہل زبان انکو بولتے نہیں جو اُنسے معانی اُنکے تحقیق ہوں۔ کتب لغات میں جو معانی اُنکے لکھے ہیں وہ قیاسی ہوتے ہیں +

(۵) اختلاف لغات۔

لغات کے الفاظ و معانی میں اختلاف کئی سبب سے ہوتا ہے اول محض نقل کے تواتر میں اختلاف۔ ایک فریق کے پاس ایک لفظ کسی طرح نقل تواتر سے چلا آتا ہے دوسرے کے پاس کسی اور طرح سے منقول ہے دوم ذات لفظ میں کچھ اختلاف نہیں ہوتا مگر معنی میں اختلاف ہوتا ہے مثلاً لفظ خدا ہے کوئی اسکے معنی خود آئندہ یعنی واجب الوجود کے بتاتا ہے کوئی اسکے معنی صاحب کے بتاتا ہے جیسے کدخدا۔ کدبانو۔ ناخدا۔ بعض دفعہ الفاظ میں یہ اختلاف ہوتا ہے کہ کوئی اس کو کسی زبان کا لفظ بتاتا ہے کوئی کسی زبان کا مثلاً لفظ اللہ کوئی اس کو عبرانی کہتا ہے کوئی عربی۔ کوئی سُریانی۔

سوم الفاظ کی حرکات و سکنات میں اختلاف ہوتا ہے۔ فتحہ۔ کسرہ۔ ضمہ۔ سکون حرکت تخفیف تشدید میں ایک دوسری جگہ بولتے ہیں۔

چہارم جب ایک زبان کے لغات دوسری زبان میں منتقل ہوتے ہیں تو اہل زبان اپنی زبان کے موافق انہیں تصرف کرتے ہیں اسلئے انہیں اختلاف ہوتا ہے۔ یہ اختلاف اِنہی طرح کے ہوتے ہیں (۱) حرفوں کی حرکات و سکنات کا (۲) حروف کے تبدل کا (۳) حذف و ازدیاد

لفظ	کیفیت
گرسنہ	فارسی زبان میں دو طرح سے بولتے ہیں ر پر سکون و زیر گرسنہ۔ گرِسنہ۔
شغل	عربی زبان تین کی طرح شَغل شُغل شُغُل +

صفوۃ - عربی زبان میں کی طرح صَفْوَۃ صِفْوَۃ صُفْوَۃ ص پر تین حرکتیں
تشدید و تخفیف میں تغیر الفاظ غم - ہم - قد - حق - کف - خد - طو - حو - اصل بعلو - رقوم -
حذف - تمئیز و تمیز و تغییر و تغیر - امیر و میر و ضرورت و ضرور - ابلہ و بلہ - ابو جہل بو جہل
ابو لہب و بو لہب +
اختلاف امالہ و بجور جس میں داج کا امالہ و بجو کرلیا -
اختلاف قلب یعنی مکان حروف کا آپس میں لنا جیسے دریوزہ و دریزہ - درویش و درو یش
ہوشمند و ہشومند - کنار - کران - میان - میام +
ابدال - ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلنا بسبب قرب مخرج کے - حروف مخصوصہ
فارسی کہ عربی میں نہیں آتے چار ہیں پ - چ - گ - ژ - پ کو جو ب و ف سے
قریب المخرج ہے بدل لیتے ہیں +

فہرست مضامین

باب اول - انسان اور اُس کی زبان

(۱) انسان کے نام جس سے وہ ممیز از حیوان ہوتا ہے صفحہ ۱ (۲) الفاظ - کلمات - زبان علی العموم صفحہ ۳ -
(۳) تصور کے لیے الفاظ یا کلمات کا علامات کا بنا - ۴ - (۴) (۵) الفاظ کے معانی - ۵ - ۶ - (۶) الفاظ
کا مجمل و مبہم بیان ۷ - (۷) الفاظ اکثر کلی ہوتے ہیں - ۸ - (۸) ہر خاص شئی یعنی جزئی کا نام جدا جدا رکھنا
ناممکن ہے - ۸ - (۹) الفاظ عام یعنی کلی الفاظ کس طرح بنائے جاتے ہیں - ۱۰

باب دوم - ۱۳ - ۴۳ -

زبان ہی ایک سائنس ہے

فصل اول بعض تمہیدی مسائل

(۱) انیسویں صدی ۱۳ - (۲) زبان کی تحقیقات کی وسعت اور اوسکی اور علوم سے نسبت - ۱۳
(۳) زبان کی اصل کی نسبت خیالات - ۱۴ (۴) سائنس و آرٹ کی تعریف - ۱۵ - (۵) سائنس کی
ابتدا و انتہا - ۱۶ - (۶) سائنس کے لئے بکار آمد ہونا بھی ضرور ہے - ۱۶ - (۷) زبان بھی سائنس ہے -
(۸) کوئی علم سائنس کے درجہ پر کب پہنچتا ہے - ۱۸ - (۹) زبان کی سائنس پر توجہ کرنے کی ضرورت - ۱۹

فصل دوم زبان کی پیدائش و تحقیقات زبان

(۱) زبان کا تشابہ پیدائش میں درخت سے ساتھ ۔ ۲۰ ۔ (۲) زبان کی پیدائش میں لہجہ متکلم کا اور محاورے کا اثر ۔ ۲۱ ۔ (۳) محاورات کا اثر ۔ ۲۱ ۔ (۴) زبان کی نسبت متقدمین کے خیالات ۔ ۲۳ ۔ (۵) زمانہ قدیم میں غیر زبانوں کا مطالعہ ۔ ۲۴ ۔
(۶) زبان کی تحقیقات مختلف زمانوں میں ۔ ۲۵ ۔ (۷) زبان سنسکرت ۔ ۲۹ ۔
(۸) زبان کا سائنس بننا ۔ ۲۹ ۔ (۹) تاریخ سے زبان کے تعلقات ۔ ۳۰ ۔
(۱۰ و ۱۱ و ۱۲) زبانوں کا متحد الاصل ہونا ۔ ۳۱ ۔

فصل سوم زبان کی اصل

(۱) زبان کی تحقیقات ۳۴ ۔ (۲) زبان کی تحقیقات کا تاریخی حال ۔ ۳۴ ۔ ۳۳ ۔
(۳) وضع زبان کی نسبت خیالات ۔ ۳۵ ۔ (۴) زبان طبعی دریافت کرنے کے تجربے ۔ ۳۶ ۔
(۵) انسان و حیوان ۔ ۳۶ ۔ (۶) انسان و حیوان میں فرق ۔ ۳۸ ۔
(۷) نطق و عقل لازم ملزوم ہیں ۔ ۳۹ ۔ (۸) لغات کے مادے ۔ ۴۱ ۔

باب سوم فارسی زبان ۔ ۴۴ ۔ ۵۷

فصل اول فارسی زبان کا بیان

(۱) کسی زبان کا حال اول سے آخر تک دریافت ہونا محال ہے ۴۴ ۔ (۲) مشرقی تحقیقات ۴۴
(۳) زبان فارسی ہفت گانہ ۔ ۴۵ ۔ (۴) مغربی علماء محققین کی تحقیقات ۔ ۴۷ ۔
(۵) مسلمانوں کے عہد میں فارسی علم ادب کا بیان ۔ ۵۰
(۶) فارسی زبان کی فضیلت میں روایات و احادیث ۔

فصل دوم

(۱ و ۲ و ۳) مشرقی محققین کی طرز تحقیقات ۔ ۵۲ ۔
(۴) معرفت لغت ۔ ۵۵ ۔